

دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا



www.islamicbookslibrary.wordpress.com

حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب

دُنیا کو اِسْلام سے کس کس طرح روکا گیا؟

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب

اِذَاةُ الْمَعَارِفِ بِهَرِ اُچھی

طبع جدید، شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ۔ دسمبر ۱۹۹۸ء

بہارِ مقام، مخزنِ سماں شی
مطبوع، احمد رضا کتب خانہ پوریشن کراچی

مناشر، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

پوسٹ کوڈ ۷۵۱۸۰، فون ۵۰۶۰۷۲۷

منسیر ورق، رشید شاہ

چلنے کے پتے، ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴

دارالکتاب اسلام آباد کراچی

امارت اسلام آباد ۱۹۰۱۱۱۱

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۴	حضرت شیخ السند قدس سرہ کی شفقت	۱۳	میری تصانیف اردو نوٹس اور بعض اہم حالات
۲۵	مسد	۱۴	مولود خوانی
۲۹	افضل المدارس شاہجہان پور میں	۱۵	ناول بنی
۳۰	میرے خواہی	"	قصبہ تلہر شاہجہان پور کا قیام
"	مطبع قاسمی	۱۶	محبت بد
۳۱	دیوان حماسہ	۱۷	شاعری
۳۳	"القاسم" و "الرشید"	۱۸	مجلس مشاعرہ سے نفرت
۳۴	دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا	"	شاہجہان پور کی واپسی
۳۷	دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا	۱۹	دیوبند کی پہلی حاضری
۳۸	ارسال رسل اور اس کی حکمت	۲۰	دیوبند سے واپسی
۳۹	ضرورت رسالت کے لئے چند مثالیں	"	جلسہ دستار بندی میں تقریر
۴۰	انبیاء و رسل کا اتباع کامل	۲۲	دیوبند کی مراجعت
۴۳	مسلمان کا ہر عمل موجب ثواب ہو سکتا ہے	"	مدرسہ نعمانیہ میں قیام
۴۵	سنت اور بدعت کا فرق	۲۳	میری مضمون نگاری
۴۸	بدعت باعث اجر نہیں	"	ہڑبونگ
۵۰	رسول کا انسان ہونا ضروری ہے	"	مدرسہ نعمانیہ کی تعمیر
۵۱	انسانوں کو جانوروں کی طرح آزاد نہیں رکھا گیا	۲۴	مدرسہ مذکورہ کا آخری اجلاس

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۸	چاہ زمزم کا ذکر	۵۲	ارسالِ رسل کی حکمت قرآن سے
۷۹	عبداللہ کی قربانی	۵۳	انسان کی ابتداء
۸۱	آپ کے والد کی شادی اور وفات	۵۴	حضرت آدم کی اصل
۸۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یتیمی	۵۶	انسان کا پہلا جرم
۸۳	خدیجہ سے نکاح	۵۷	انبیاء علیہم السلام کی مخالفت
۸۴	اولاد کی مختصر تفصیل	۵۸	مگر ابھی
۸۵	بعثت	۶۰	نئی قسم کی بت پرستی
۸۶	نزول وحی	۶۱	اہلِ فترت اور ان کی قسمیں
۸۷	سب سے پہلا مسلمان	۶۲	نبی آخر الزماں کی بشارت
۸۸	صدیق اکبرؓ کا اسلام	۶۳	حضرت زید بن عمرو بن نفیل
۸۹	حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ	۶۴	صدیق اکبرؓ
۹۰	حضرت طلحہؓ کا اسلام	۶۵	ان کی دوسری قسم
۹۱	مسلمانوں کا پہلا جلسہ عام	۶۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
۹۲	مشرکین کا رد عمل	۶۷	والدین کا اسلام
۹۳	حضرت ابو بکر کی حضورؐ سے محبت	۶۸	اسلام میں فرق مراتب
۹۴	اسلام کی تدریجی رفتار	۶۹	اہلِ فترت کی دوسری قسم
۹۵	ایمان لانے والوں کی حفاظت کے اسباب	۷۰	عرب میں بت پرستی کی ابتداء
۹۶	صحابہ کا مشقت برداشت کرنا	۷۱	اہلِ فترت کی تیسری قسم
۹۷	اور اسلام میں پہلا شہید	۷۲	زمانہ جاہلیت کی ایک تصویر
۹۸	لفظی تغیر	۷۳	رسول کی ضرورت
۹۹	ابو جہل کی مکاریاں	۷۴	آپ کی ولادت
۱۰۰	اعمال کا آپس میں تعلق	۷۵	تاریخ ولادت میں اقوال مختلفہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۰۵	مسلمان کا سماجی و معاشی بائیکاٹ	۹۹	گناہ صغیرہ کا وبال
۱۰۶	بائیکاٹ ختم ہونے کے اسباب	۱۰۰	اسلام سے قبل عرب کی مذہبی و معاشرتی حالت
۱۰۸	قریش نے آپ کی نبوت کی مخالفت کیوں کی؟	۱۰۱	اسلام سے روکنے کے لئے کفار کی تدبیریں
۱۱۱	طفیل بن عمرو دوسریؓ کا اسلام	۱۰۱	حبشہ کی جانب ہجرت
۱۱۳	لیلت الاسراء یا معراج	۱۰۲	حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام
۱۱۴	معراج کو خواب کہنے کی وجہ	۱۰۳	اسلام کی خاطر حضرت عمرؓ کا تکلیف برداشت کرنا
۱۱۵	یہ تیز رفتاری ممکن ہے	۱۰۳	ارض حبشہ کے چند پادریوں کا اسلام
۱۱۶	معراج کو روحانی ماننے والوں کے دلائل	۱۰۴	نبی کریمؐ کو قتل کرنے کا مشورہ
۱۱۹	معراج جسمانی کے دلائل		
	روحانی معراج کے دلائل کا جواب		



بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیش لفظ

از

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

مستشرقین نے اسلامی جماد کو بدنام کرنے کے لئے یہ نعرہ عرصہ دراز سے چلتا کیا ہوا ہے کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا ہے اور اسلامی جماد کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ زبردستی کی یہ بات قرآن و سنت کی تعلیمات کے بھی بالکل منافی ہے اور واقعات کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ علماء کرام نے اس جھوٹے نعرہ کی قلعی کھولنے کے لئے سیر حاصل تحریری اور تقریری کاوشیں کی ہیں۔ میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ”سیرت خاتم الانبیاء“ میں اس جھوٹ کا پول مختصر اور جامع انداز میں کھول دیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک مستقل کتاب ”دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا“ تالیف فرمائی بعد میں وہ کتاب ”اشاعت اسلام“ کے نام سے شائع ہونے لگی۔ جس میں تاریخی حقائق سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنی حقانیت اور فطری کشش سے پھیلا ہے۔

زیر نظر کتاب ”دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا“ بھی مستشرقین کے اسی نعرے کا دوسرے انداز میں جواب ہے۔ جس میں واقعات اور اسلامی تاریخ سے یہ واضح کیا

گیا ہے کہ معاملہ صرف یہ نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو بلکہ اس کے برعکس تاریخی حقائق بتلاتے ہیں کہ اسلام دشمنوں نے لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے ان پر ظلم و ستم کے کیسے کیسے حربے استعمال کئے۔ اس کے باوجود یہ اسلام کی حقانیت اور دل موہ لینے والی کشش ہی تھی کہ انہوں نے ہر ظلم و ستم برداشت کیا لیکن اسلام کی نعمت گراں مایہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، جانیں دیدیں اور سب کچھ قربان کر دیا لیکن دین اسلام کو ایک لمحے کے لئے چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

یہ کتاب میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عظیم المرتبت استاذ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس اللہ سرہ کی تالیف ہے جو دارالعلوم دیوبند کے ان اکابر اساتذہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں جن کو دارالعلوم دیوبند میں بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت اور برما میں اس وقت جو ہزاروں دینی مدارس دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہیں ان سے فارغ ہونے والا کوئی عالم دین اس وقت ایسا نہیں ہو گا جو شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کا بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد نہ ہو۔

میں نے اپنے بچپن سے بلوغ تک شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات اور ارشادات اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے اتنی کثرت سے سنے ہیں کہ ان کا اسم گرامی آتے ہی دل میں ان کی عظمت و محبت کے چراغ جلنے لگتے ہیں۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ موصوف میرے بڑے محسن ہیں مجھے علم کی جو کچھ شد بد حاصل ہوئی اس کی بنیاد استاذ موصوف ہی نے رکھی۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ العلم تھے صبح سے رات تک کوئی وقت علمی مشغلے سے خالی نہ تھا، طلباء کے ساتھ خود بھی محنت کرتے تھے اور انہیں بھی محنت کرنی پڑتی تھی۔ عربی ادب کی مشہور کتاب ”مقالات حریری“ کا درس جس مثالی انداز میں دیتے تھے اس کا شہرہ برصغیر میں پھیلا ہوا تھا، بہت سے فارغ التحصیل علماء بھی محض حضرت شیخ الادب سے یہ درس پڑھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند میں آکر داخل ہوتے تھے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ کتاب انہی سے پڑھی ہے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”میں مقامات کے تکرار (اعادہ درس) میں شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پوری تقریر کا اعادہ اسی ترتیب سے کیا کرتا تھا جس طرح استاذ محترم نے بیان کی تھی۔ بعض اوقات استاذ محترم میری لاعلمی میں میرا تکرار سنتے اور مجھے بعد میں پتہ چلا کہ وہ سن کر بہت خوش ہوئے ہیں“

تواضع، تقویٰ اور اتباع سنت میں بھی وہ سلف صالحین کا بہت حسین نمونہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں طلباء میں یہ بات مشہور تھی کہ کوئی بھی شخص ان کو سلام کرنے میں پہل نہیں کر سکتا، کیونکہ انہوں نے سلام میں پہل کرنے کی ایسی مشق کی ہوئی تھی کہ دوسرے ابھی سلام کرنے کا سوچ ہی رہے ہوتے تھے کہ حضرت فوراً انہیں سلام کر لیتے تھے۔ یہ معلوم ہی ہے کہ سلام میں پہل کرنے کا ثواب جواب دینے سے زیادہ ہے۔ تواضع اور اتباع سنت کی یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے ورنہ ان کی پوری زندگی ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

ایک واقعہ میرے بچپن میں میرے ساتھ پیش آیا جس کا گہرا نقش دل پر قائم ہے۔ تحریک قیام پاکستان کے سلسلے میں جب میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے تھے، اور شب و روز تحریک قیام پاکستان میں منہمک تھے ایک جمعہ کو بعد نماز جمعہ ہمارے گھر پر کچھ مقامی علماء والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی معاملے میں مشورے کے لئے جمع تھے دوران گفتگو طے ہوا کہ اس کے بارے میں سب شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلتے ہیں تاکہ ان سے بھی مشورہ ہو جائے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ حضرت اپنے کمرے میں موجود ہیں یا نہیں، میں دارالعلوم کی مسجد سے ملحق کمرے کے پاس پہنچا تو وہ اندر سے بند تھا۔ مجھے چاہئے تھا کہ آس پاس کے کسی طالب علم یا استاذ سے معلوم کر لیتا کہ حضرت موجود ہیں یا نہیں، لیکن بچکانہ حماقت یہ کہ دروازے کو دستک دیدی، حضرت اسی وقت آرام کے لئے لیٹے تھے، باہر تشریف لائے کسی ناگواری کا اظہار کئے بغیر سلام و دعا کے بعد پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیکھنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ کمرے میں موجود ہیں یا نہیں، یہ

سن کر حضرت نے مجھے رخصت کر دیا، واپسی میں مجھے کچھ بچکانہ مشغلے راستے میں مل گئے۔
قدرے تاخیر سے گھر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے
گھر پر موجود تھے حالانکہ اس مجلس میں جتنے حضرات تھے وہ سب کے سب موصوف کے
شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد تھے، لیکن یہ گوارا نہ فرمایا کہ یہ مشورے کے لئے ان کے
پاس آئیں خود وہاں تشریف لے آئے۔ مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات خاصی
تفصیل سے ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری نے بھی ”تذکرۃ
الاعزاز“ کے نام سے کتابی شکل میں تحریر فرمائے ہیں، تفصیل کے لئے اس کی مراجعت کی
جاسکتی ہے۔

۱۹۸۹ء کے اواخر میں احقر کی حاضری دیوبند ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند
ارجند جناب مولانا حامد میاں صاحب نے زیر نظر کتاب کا مسودہ ازراہ محبت عنایت فرمایا کہ
اسے پاکستان میں شائع کر دیا جائے۔ اور الحمد للہ اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے یہ کتاب
ہدیہ قارئین کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قارئین کے لئے نافع اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ
کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے اور موصوف کے جلیل القدر صاحبزادے جو اس کی اشاعت کا
ذریعہ بنے، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ واللہ المستعان

محمد رفیع عثمانی

خادم جامعہ دارالعلوم کراچی

۹ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

۲۱ اگست ۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(تمہید)

لک الحمد یارب العالمین والصلوة علی رسولک محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

میری تصانیف اردو نویسی اور بعض حالات

محمود نامہ۔ مامقیمان، کریمیا، تو مجھ کو یاد ہے کہ میرے والد (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ) نے مجھ کو پڑھایا تھا، اور وہ بھی اس طرح کہ سرکاری رجسٹر بغرض تکمیل گھر لے آتے تھے، وہ رات میں ان کی تکمیل کرتے جاتے تھے، اور میں ان کی چارپائی کے پاس پٹی کے نیچے کھڑا ہوا پڑھتا تھا، مگر یہ یاد نہیں کہ میں نے اردو کس سے پڑھی، غالباً محمود نامہ وغیرہ کے بعد میں نے اردو پڑھنا سیکھ لی تھی، آنکھ کھولی تو گھر میں جو کہ بہن بھائیوں سے بھرا ہوا گھر تھا، بیت بازی کا شوق دیکھا۔ ایک بچہ ایک شعر پڑھتا تھا مقابل کے لئے ضروری تھا کہ اس کے جواب میں کوئی ایسا شعر پڑھے جس کا ابتدائی حرف وہ حرف ہو جو حریف کے شعر کا انتہائی حرف ہے، اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا اور شعر صحیح طور سے پڑھ دیا تو پھر اس پہلے بچے پر اسی کا جواب ضروری تھا۔

غلط پڑھنے پر حریف کی جانب سے ”القط“ کہہ دیا جاتا تھا جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس شعر کو جواب میں پیش کرنا ناقابل اعتبار ہے، پھر اس مجلس میں ایک مرتبہ پڑھا ہوا شعر خواہ مقبول ہوا ہو یا مردود درو بارہ نہ پڑھا جاسکتا تھا، اور بسا اوقات اس شرط کا بھی اضافہ ہوتا تھا کہ اگر شعر پڑھنے والے نے پڑھے ہوئے شعر کا مطلب نہ بتایا تو یہ شعر ساقط الاعتبار ہے۔

اس کا شوق کچھ ایسا تھا کہ گھر میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو کہ یہ امتحان مقابلہ منعقد نہ ہوتا ہو اور صرف گھر کے بچے نہیں بلکہ بسا اوقات اس مجلس مناسبت میں محلے کے بچے بھی آ جاتے تھے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو کثیر التعداد اشعار یاد ہو گئے تھے اور برجستہ پڑھتے تھے۔

مولود خوانی: شاہجہان پور میں مبتدعانہ دینداری کا رواج تھا، قابل ذکر بدعات میں مولود شریف کا چرچا زیادہ تھا حتیٰ کہ عورتوں کی مجلسوں میں بھی مولود خوانی ہوتی تھی۔ شاہجہان پور کے پٹھانوں میں پڑھنا لکھنا زیادہ مرغوب چیز نہ تھی، شاہی زمانے میں جس طرح فوجی سپاہی تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتے ہونگے اسی طرح یہ لوگ بھی جانتے تھے، مکاتب، مساجد، سرکاری مدارس، اور اسکول کی زیادہ تر آبادی، دھن، جولاہوں، قصابوں سے ہوتی تھی، ایسی صورت میں اس جماعت کی عورتوں میں پڑھنا لکھنا جس قدر ہو گا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اس کمی کے باوجود بعض عورتوں میں مولود خوانی ضروری تھی اور اس کا اہتمام عورتوں میں زیادہ تھا، کسی با وقعت شخص کے مرنے کے بعد تیجے، دسویں، چالیسویں میں جس طرح مولود خوانی ضروری تھی اسی طرح شادی، ختنہ، عقیقہ میں بھی مولود خوانی ضروری تھی، ڈومنیوں کے ناچ گانے سے قبل یا بعد یہ مجلس ضروری تھی۔

میں اور میرے چھوٹے بھائی منشی حاجی محمد اقبال علی مرحوم بہت ہی چھوٹے بچے تھے، اردو دانی اور نظم خوانی کے نتیجے میں ہم دونوں اچھے مولود خوان تھے، مردانہ مولود کی بعض بڑی بڑی مجالس میں مولود کے اشعار ہم دونوں ملکر پڑھتے تھے، اور ہماری صغریٰ کی ہمارے اغلاط کی پردہ پوشی کرتی تھی، بلکہ اکثر تعریفیں ہی ہوا کرتی تھیں، اور اسی صغریٰ کی وجہ سے زنانہ مولود میں ہمارا داخلہ بکثرت ہو گیا، اکثر محلوں میں ہم دونوں جا کر مولود پڑھتے تھے، اس مذہبی مگر جعلی فریضے کے ارکان و مستحبات ہم کو خوب مستحضر تھے، ناممکن تھا کہ ہم اس کا ایک مستحب بھی چھوڑ دیں۔

شادیوں کی مجلس میں چونکہ مولود خوان سے پہلے یا بعد ڈومنیوں کا گانا اور ناچ بھی ہوتا

تھا۔ اس لئے یہ بھی اتفاق ہوتا تھا کہ ہم دونوں بھائی مولود کی کتابیں بغل میں دبائے ہوئے ایسے وقت پہنچ جاتے تھے کہ راگ رلیوں کی یہ محفل اپنے شباب پر ہوتی تھی، ہم دونوں کو اس محفل کی منتظم عورتیں کسی جگہ بٹھا دیتی تھیں، اور اسی وجہ سے ناچ دیکھنے اور گانا سننے کا شرف بھی حاصل ہو جاتا تھا، فطری طور پر مجھ کو ناچ گانے سے دلچسپی نہ تھی، اس لئے اس ہڑونگ کو میں بار بار دیکھا مگر اکثر بلا کر لے جانے والی عورت سے دریافت کر لیا کرتا تھا کہ ناچ ختم ہو چکا یا نہیں، بلکہ یہ بھی کہ دیا کرتا تھا کہ ناچ ختم ہو چکے گاتب جائیں گے اور چونکہ ہم کو مولود خوانی کی کوئی اجرت نہ ملتی تھی اس لئے میرا یہ انچھر کامیاب بھی ہوتا تھا۔

ناول بنی: یہ تو یاد نہیں کہ مجھ کو ناول بنی کا مرض کس طرح شروع ہوا اور اس قسم کی کتابیں میرے پاس کس ذریعہ سے آتی تھیں، مگر یہ اچھی طرح یاد ہے کہ مولوی عبدالحلیم شرر لکھنوی اور مولوی محمد علی صاحب ہردوئی مشہور ناول نویس اصحاب کے عروج کا زمانہ تھا، اور انہیں کے ناول میں دیکھا کرتا تھا، یہ ناول بنی والد صاحب رحمہ اللہ یا بڑے بھائی صاحب کے خوف سے چھپ کر ہوتی تھی، اور بسا اوقات چاند کی روشنی میں ہوتی تھی کہ سب سوتے تھے اور میری ساری ساری رات کی نیند ناول بنی کی نذر ہو جاتی تھی اور میرے ضعف بصر کا راز اسی ناول بنی میں مضمر ہے۔

قصبہ تلہر شاہجہان پور کا قیام:

والد رحمہ اللہ شاہجہان پور کے سب رجسٹرار آفس میں محرر اول تھے، انکی تبدیلی شاہجہان پور کے ایک قصبہ تلہر نامی میں کر دی گئی، مکان جو سکونت کے لئے لیا گیا تھا اس میں کھنڈ سار (گنے کے رس سے شکر وغیرہ بنانے کی دیسی فیکٹری) تھی، خسارے کی وجہ سے یہ فیکٹری بند ہو گئی، موجودہ تعمیر کے علاوہ اس میں دو چھپر ڈلوائے گئے تھے یہ چھپر اس قدر نیچے تھے کہ ان میں داخل ہونے سے اگر ذرا سی بے احتیاطی (سراٹھا کر داخل ہونا) ہو جاتی تھی تو اس کی سزا فوراً ہی ملتی تھی اور سر میں سخت چوٹ لگتی تھی، بعض مرتبہ اس پر تہمتے لگتے تھے، بعض مرتبہ اس پر ہمدردی کا اظہار ہوتا تھا۔

میرے ایک خریف الطبع بھائی نے ان چھپروں کے سامنے یہ شعر آویزان کر دیا۔
گردن کشی ملاتی ہے انساں کو خاک میں لازم ہے آدمی کو ذرا سر جھکا چلے
میں مدرسہ ”گلشن فیض“ سے گھر واپس ہوا تو جلی قلم کا لکھا ہوا یہ شعر، بھائی بنوں کو
ہنس ہنس کر پڑھتے ہوئے دیکھا کہ میں طاق پر رکھتے رکھتے دو شعر تصنیف کئے اور ان کو محررہ
بالا شعر کے پاس کھڑے ہو کر مولود کے لہجے میں پڑھنا شروع کر دیا۔
جب سے ہم آئے ہیں تلہر۔ صل علی محمد + ٹوٹا سا اک ملا ہے گھر۔ صل علی محمد۔ جس
میں پڑے ہیں دو چھپر۔ صل علی محمد + جس سے کہ ٹوٹتے ہیں سر۔ صل علی محمد
یہ شعر گھر بھر میں اسی لہجے میں پڑھے جانے لگے، والدہ ماجدہ رحمہ اللہ ایک دیندار باپ کی
دیندار بیٹی تھیں، مجھ کو یاد ہے کہ بچے کی زبان سے نکلے ہوئے شعروں کو سکر مسکراتی بھی
تھیں مگر اس خیال سے کہ یہ مولود شریف کی تو ہیں ہے ساتھ ہی ساتھ ”توبہ توبہ“ بھی کہتی
جاتی تھیں۔

صحبت بد: پڑوس میں ایک بزرگ صورت جناب مولوی نور الدین بدایونی رہا کرتے تھے،
آپ تلہر کی عدالت دیوانی میں وکالت کیا کرتے تھے، والد رحمہ اللہ کا ان سے اچھا خاصہ
تعارف تھا میں بھی گا ہے گا ہے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، ان کو شعر گوئی کا شوق
تھا، اور اساتذہ کلام کے سینکڑوں اشعار یاد تھے، ان کی یہاں کی حاضری نے مجھ کو بھی شاعری
کا شوق دلادیا۔ میں اس زمانہ میں مدرسہ ”گلشن فیض“ میں پڑھتا تھا، اس مدرسہ کو جنگی
سے غالباً دس روپیہ ماہوار کی امداد ملتی تھی، طلبہ سے فیس لی جاتی تھی، اور یہ سب کچھ مدرس
اول (جناب مولوی مقصود علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا حصہ تھا۔

۱۔ یہ نام تدریجی ہے میزان سے کافیہ تک میں نے اسی مدرسہ میں پڑھا ہے، اس مدرسہ کے مدرس اول
صاحب (رحمہ اللہ) کی توجہ سے مجھ کو صرف و نحو کے چند مسئلے یاد ہو گئے میں نے اس مدرسہ سے جدا
ہونے کے بعد (چینٹالیس برس کے بعد) اس کو دیکھا تو وہاں بجز ناہموار زمین کے کچھ اور نہ پایا، یہ مدرسہ
ظہیر محلہ جوئیاں میں جامع مسجد سے ملا ہوا تھا، وہاں پہنچ کر مجھ کو معلوم ہوا کہ عرب کے بدو یا راجپوت کے
کھنڈروں پر کس طرح روتے تھے اور کیوں روتے تھے۔ ۱۲ منہ

شاعری: شاعری کا یہ شوق ابھی ابتدائی منزل میں تھا کہ مدرسہ مذکورہ کے بعض قواعد کی وجہ سے والدہ مرحومہ نے مجھ کو اور میرے چھوٹے بھائی کو اس مدرسہ سے جدا کر دیا، اور تلہر ہی کے ایک صاحب خلیل الدین نامی سے پڑھنے کا امر کیا۔ یہ صاحب اپنے متعلق عالم ہونے کے جمل مرکب میں جلتا تھے، آپ کی عربی تعلیم زیادہ سے زیادہ ہدایۃ النحویک تھی، مگر قصبہ کے عوام میں مولوی مشہور تھے، اس علمی بے بضاعتی نے ان کو آخری عمر میں مرتد (قادیانی) بنا دیا تھا۔ مگر شاعر برے نہ تھے جلال لکھنوی مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے۔

صرف و نحو کی کتابیں اگرچہ ابتدائی تھیں، میری عمر بھی زیادہ نہ تھی، لیکن تھا جناب مولوی مقصود علی خان صاحب "کاشاگرد، مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو نہ پڑھنا آتا ہے نہ پڑھانا مگر میرا شاگرد مجھ سے پڑھنے کے بعد کسی دوسرے سے پڑھنے کے قابل نہیں رہتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ مرحوم کے تلامذہ مرحوم سے جدا ہو کر یا تو تعلیم ہی ترک کر دیتے تھے اور یا مشکل سے کسی کو نظر میں لاتے تھے۔ میں نے دو ایک ہی سبق میں خلیل الدین احمد صاحب کی ناکارگی کا اندازہ کر لیا، مگر یہ عادت نہ تھی کہ اساتذہ کی توہین کروں، دوسری جانب مدرسہ گلشن فیض (تلہر) کے بچوں سے شرم بھی آتی تھی کیونکہ وہاں سے نام خارج کرا کر آیا تھا اس لئے حاضری برابر دیتا رہا۔

موصوف نے عربی کے اسباق تو "برائے بیت" کر دیئے مگر شاعری کے عمیق گڈھے میں ضرور گرا دیا، علامہ شوق نیوی اس زمانہ میں جلال اور ان کے تلامذہ پر بری طرح برس رہے تھے ان کے شائع شدہ مضامین دکھا کر اعتراضات کرتے تھے، صرف کے اوزان کچھ آتے ہی تھے اس لئے "عروض" میں مصروف کر دیا۔

مختصر یہ کہ ان کی خدمت میں رہ کر عربی کے اعتبار سے تو عمر ہی ضائع کی، مگر شاعری کا شوق بڑھ گیا، اور نوبت بایں جا رسید کہ قصبہ کے بے فکر لوگ مشاعرے کے لئے مصر ہائے طرح کا اعلان کرتے تھے اور اساتذہ اپنے اپنے "غادیوں" کی جماعت کو لیکر زیب محفل ہوتے تھے، غزلخوانی ہوتی تھی، چونکہ عربی اسباق تو برائے نام ہی تھے، گھر میں کوئی عربی

پڑھنے والا تھا نہیں کہ دیکھ بھال کرتا، وقت زیادہ ملتا تھا میں نے غزلوں کی تصنیف شروع کی، اور مشاعروں میں ان کو پڑھنا شروع کیا، اور کم عمر ہونے کی وجہ سے اغلاط کی پردہ پوشی ہوتی تھی، اور کسی اچھے شعر کی زائد از حد مدح ہوتی تھی ناول بینی اور شاعری کے باوجود میں عشق، وصل، ہجر کے حقیقی مفہوم سے ناواقف تھا، مگر میدانِ مشاعرے کی مسابقت میں فارسی کی پڑھی ہوئی کتابیں یوسف زلیخا وغیرہ نے امداد کی، اور میں اچھی خاصی شعر گوئی کرنے لگا، اس زمانہ میں غزلوں اور اشعار کے لئے گلدستوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع تھا، میرے اشعار بھی شائع ہوتے تھے۔ افسوس ہے کہ اس وقت اتنا سلیقہ نہ تھا کہ ان اشعار کو جمع کر لیتا، ہاں چند اشعار جو یاد رہ گئے ہیں، یہ ہیں۔

(۱)

آیا نہیں کرتے ہیں کہ جایا نہیں کرتے ہاں پہلوئے عاشق میں وہ ٹھہرا نہیں کرتے
پہنچا جو میں بولے کہ لو پھر آگیا ظالم دربان اسے کس لئے روکا نہیں کرتے
دل چھین لیا، جان کا بھی اب سے ارادہ یکس کو تو یوں چور بھی لوٹا نہیں کرتے

(۲)

کچھ ہوش ہے اے سلتیٰ فرزانہ کسی کا لبریز ہوا جاتا ہے پینہ کسی کا
ہم آپ سے جاتے رہے سنتے ہوئے جس کو افسوں تھا الٹی کہ وہ افمانہ کسی کا
اعزاز ترا حال سنا دے کوئی اس کو ہم دیکھتے ہیں حوصلہ ایسا نہ کسی کا

(۳)

دل ہی نہیں وہ دل کہ تری جس میں جانیں سر ہی نہیں وہ جس میں کہ سودا ترا نہیں
اے غیرت مسج! تو اپنے مریض کو جاو کچھ تو کہ اس میں کچھ اب ہے بھی یا نہیں
حسن بیان میں نہیں اعزاز کا نظیر ”آصفؑ سا ملک میں کوئی فرمانروا نہیں“

یہ شعر مین آؤ کہ بلی آخر میرا ہے، استاد نے اس میں اصلاح بالکل نہیں کی، مگر مجھ کو یاد ہے کہ اس کے پڑھنے پر ”واہ واہ“ کی آواز سے محفلِ مشاعرہ گونج اٹھی تھی۔ یہ یہ مصرعہ طرح ہے۔

اے چرخ یہ نیرنگ نمائی تری کب تک بوڑھا کوئی بیسے سے جواں ہو نہیں سکتا
تیری نشی آکھ نے بے خود بنا دیا اعزاز ورنہ صاحب عقل و شعور تھا

مجلس مشاعرہ سے نفرت: ایک مشاعرے میں یہ غزل پڑھی جس کا مقطع یہ آخری شعر تھا، ”واہ واہ“ کی آوازوں کے ساتھ حاضرین مشاعرے میں سے ایک معمر سفید ریش صاحب نے برجستہ باواز بلند کہا کہ ”طفے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت ست“ تحسین کا غلطہ ابھی کانوں میں تھا کہ اس ترمیم شدہ مصرعے نے آپریشن کا کام کیا اور مجھ کو متنبہ ہوا کہ میں غلط راستے پر جا رہا ہوں۔

حسن اتفاق سے شرکت مشاعرے کی خبر میرے بڑے بھائی جناب مولوی محمد وہاج علی صاحب (مرحوم) کو ہو گئی، وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر آئندہ معلوم ہوا کہ تو مشاعرے میں شریک ہوا تو تیری عربی کی تمام کتابیں جلا دوں گا، میں بھائی صاحب سے بہت ڈرتا تھا، اور عربی میں نے خود اپنے شوق سے شروع کی تھی اس لئے یہ زجر اثر کر گیا طبیعت تو اس سے پہلے ہی سے متغیر تھی، اس زجر کے بعد شعر گوئی اور مشاعروں کی شرکت دونوں متروک، بظاہر اب ضیاع وقت من جانب اللہ ختم کر دیا گیا تھا اس لئے میں اپنے محبوب مدرسہ ”گلشن فیض“ میں پھر پہنچ گیا، اس مدرسہ میں تعلیمی کام اس قدر تھا کہ بچوں کو ایام تعطیل میں بھی فضولیت کی مہلت نہ تھی۔

شاہجہان پور کی واپسی: والد رحمہ اللہ کی پنشن ہو چکی تھی، وہ تو بریلی سے جو کہ ہماری نانہال تھی کبھی بھی خوش نہ رہے، مگر خدا ہی جانے کہ کیوں؟ والدہ ماجدہ رحمہا اللہ بھی بغرض سکونت بریلی جانے پر راضی نہ تھیں اسی وجہ سے پنشن ہو جانے کے باوجود عرصہ تک ہم سب تلہری میں رہے، اس اثنا میں جناب بھائی مولوی محمد وہاج صاحب شاہجہان پور کے محکمہ رجسٹری میں ملازم ہو گئے تو ہم سب پھر شاہجہان پور آ گئے، مقدرات الہیہ میں کچھ عمر کی تفصیح اور مقدر تھی، چنانچہ تھوڑا وقت ضائع کر کے میں مدرسہ عین العلم (شاہجہان پور)

میں داخل ہو گیا۔ اور حضرت الاستاذ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ سے کہ وہ اس وقت اس مدرسہ میں مدرس دوم تھے، سکندر نامہ شروع کیا، اور آہستہ آہستہ عربی کے اسباق میں بھی شریک ہو گیا۔

شرکائے اسباق میں ایک صاحب مولوی سید نور احمد صاحب بھی تھے، جو نہ صرف خود شاعر تھے بلکہ ان کے گھر کا بچہ بچہ شاعر تھا، ان کے ساتھ رہ کر شاعری کے شوق کی دہلی ہوئی آگ پھر سلگنے لگی، مگر الحمد للہ کہ یہ شوق صرف شعر سننے اور دوسروں کے اشعار پڑھنے تک محدود رہا۔

ہاں ایک وقت یہ بھی آیا کہ گرمی کے زمانہ میں مدرسہ کا وقت دو بجے سے پانچ بجے تک کر دیا گیا، میں نے کسی کے مشورے اور تحریک کے بغیر ایک مرثیہ لکھا جس کا صرف ایک شعر یاد ہے۔

دو بجے کا وقت ہے اور سب پڑے سوتے ہیں اور مجبوراً پڑا ہم کو نکلنا ہائے ہائے
چھوٹی تقطیع کے چھوٹے اور سفید اوراق پر یہ مرثیہ لکھا ہوا میری کتاب میں تھا، دوستوں میں سے کسی کو سنایا بھی نہ تھا کہ اتفاق سے بوقت درس میری یہی کتاب حضرت مولانا سید بشیر احمد صاحب مراد آبادی مدرس اول مدرسہ مذکورہ (رحمہ اللہ علیہ) نے لے لی اور سبق پڑھانے کے ارادے سے کتاب کھولی تو اس میں یہ اوراق سامنے آ گئے، مدوح نے خوب ہنس ہنس کر اس کو پڑھا، جماعت نے سنا، حضرت الاستاذ مفتی محمد کفایت اللہ کے پاس بھیجا جو کہ اس وقت دوسری درسگاہ میں مشغول تدریس تھے، اور غالباً یہ اشعار حضرت الاستاذ مولانا عبید الحق خان صاحب قدس سرہ نے بھی سنے جو کہ اس وقت مدرسہ کے بااختیار بلا تھوڑا مہتمم تھے، اس مرثیہ میں کسی کی جھوٹ تھی بلکہ سادگی کے انداز میں اپنی تکالیف کا اظہار تھا، اس لئے اس مرثیہ نے صرف قمقموں کا خراج حاصل کیا، میرا اخراج نہ ہوا۔

دیوبند کی پہلی حاضری: حضرت الاستاذ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی اور حضرت الاستاذ مولانا عبید الحق خان قدس سرہ مہتمم مدرسہ عین العلم کو قادر مطلق اپنے بے غایت انعامات سے سرفراز کرے کہ ان کی توجہ سے میں دیوبند پہنچ گیا۔

بودہ مورے ہوئے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائے کبوتر زود ناگاہ رسید۔

دیوبند سے واپسی: کچھ عرصہ کے بعد ہمشیرہ سے ملنے کے لئے میرٹھ گیا تو حضرت مولانا الحاج المولوی محمد عاشق الہی صاحب نے مجھ کو میرٹھ میں روک لیا اور میں مدرسہ قومی خیر نگر میں پڑھنے لگا۔

اپنے اسباق میں مشغول رہنے کے ساتھ مولانا ممدوح کے ”مطبع خیر المطالع“ و کتب خانہ کی خدمت بھی انجام دیا کرتا تھا، گویا میں مطبع اور کتب خانہ کا ایک بلا تخواہ مگر با اختیار منبج تھا۔ حائل معری و مترجم کی تصحیح اور طباعت میرے اہتمام سے ہوئی، قرآن شریف مترجم طبع نہ ہو سکا۔ ممدوح نے اپنی مترجم حائل شریف کے دیباچہ میں اس کا ذکر بہت شاندار اور شاکرانہ الفاظ میں کیا ہے، اور اسی لئے اس حائل کو میں نے حرز جان بنا رکھا ہے۔

جلسہ دستار بندی میں تقریر

شعبان میں جناب مولانا سید محمد علی صاحب نامی اور جناب مولانا حکیم سید محمد نقی حسین صاحب کی دستار بندی ہوئی تھی، اول الذکر میسور کالج میں چوٹی کے پروفیسروں میں ہیں، غالباً آج کل ریٹائر ہو چکے ہونگے اور ثانی الذکر میرٹھ کے ممتاز اطبا میں سے ہیں۔

حضرت الاستاذ مولانا الحاج المولوی عبدالمومن صاحب نے حکم دیا کہ جلسے میں پڑھنے کے لئے اعزاز علی بھی ایک مضمون لکھے۔ میں نے فضیلت علم پر مضمون لکھا اس میں نثر کا حصہ میرا تھا، اور اشعار حضرت مولانا الحاج المولوی محمد عاشق الہی صاحب کے تھے، چونکہ ممدوح کا تمام کتب خانہ میرے ہی ہاتھ میں تھا، اسلئے ان کی ایک بیاض سے بھی میں واقف تھا، اس میں ان کے اپنے تصنیف کردہ اشعار تھے، عربی کے دو اشعار مصنفہ حضرت ممدوح مولانا عبدالمومن صاحب کی مدح میں تھے، حضرت مولانا الحاج المولوی محمد عاشق الہی صاحب رحمہ اللہ نے یہ مضمون دیکھ کر فرمایا کہ تم نے میری بیاض میں سے سب کچھ لے لیا۔

یہ جلسہ خان بہادر نواب اسد اللہ خان کی سرکردگی میں تھا اور نواب صاحب ہی مدرسہ قومی کے مہتمم تھے، ان کی شرکت کی وجہ سے رؤسائے شہر بھی شریک تھے، بڑی بات یہ تھی کہ حضرت شیخ السند قدس سرہ بھی تشریف فرما تھے، اولاً بانی تقریر جناب مولانا سید محمد علی صاحب

نے کی جن کی دستار بندی ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت الاستاذ کے اشارے سے میں کھڑا ہوا۔ اور اس بے باکی سے اپنی نثر و نظم کو ختم کیا کہ آج بھی مجھ کو حیرت ہو جاتی ہے۔ مضمون ختم کر کے بیٹھا تو نواب صاحب نے حضرت الاستاذ مولانا عبدالمومن صاحب سے دریافت فرمایا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی کی برادری کا ہے اور آپ کے کارندے کے بیٹے کا سالا ہے۔ مجھ کو یاد ہے کہ نواب صاحب نے اس کے بعد پھر بھی بنظر غائر مجھ کو دیکھا۔

جلے سے فراغت ہوئی تو حضرت شیخ السند قدس سرہ مولانا الحاج المولوی محمد عاشق الہی صاحب کے مکان پر تشریف لائے جلے کا ذکر آیا تو فرمایا کہ مولوی اعزاز علی کا مضمون بہت اچھا رہا (وکتبی بہ فخر) یہ تو یاد نہیں کہ حضرت قدس سرہ کے ان الفاظ نے میرے چہرے پر کیا اثر کیا مگر قلب کا یہ عالم اب تک یاد ہے کہ میں اپنے آپ کو آسمان پر سمجھتا تھا۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ اعزاز علی کے مضمون نے تو حاضرین جلسہ میں سے کئی مشہور مضمون نویسوں کو مضمون پڑھنے سے روک دیا ورنہ فلاں فلاں اصحاب بھی نثر اور نظم لیکر آئے تھے۔ اس خیال سے نہ پڑھ سکے کہ اگر مضمون یا نظم پر داد ملی تو ایک لڑکے سے مساوات ہو گئی اور اگر کسی نے تعریف نہ کی تو بڑی ذلت ہوگی۔

دیوبند کی مراجعت: تین سال تک میرٹھ میں رہ کر پھر دیوبند آ گیا۔ کتابوں سے فارغ ہوا ہی تھا کہ حضرت شیخ السند قدس سرہ کے ایما سے پوری جلی ضلع بھاگل پور کے مدرسہ نعمانیہ میں صدارت تدریس کے خدمت انجام دینے کے لئے حاضر ہوا۔

مدرسہ نعمانیہ میں قیام: مدرسہ کے کارکنوں میں ایک صاحب جناب مولوی حکیم عبدالغفور صاحب تھے جو مدرسے کے نائب مہتمم تھے۔ اہتمام کی خدمت وہی انجام دیتے تھے۔ مہتمم صاحب تو عملاً اعزازی مہتمم ہی تھے۔ نائب مہتمم صاحب لکھنؤ میں طب کی تکمیل کر چکے تھے۔ اخبار بنی کا آپ کو شوق تھا بعض اخبار قیمتی منگوا کر دیتے تھے۔ اور بعض مضمون نگاری کے صلے میں مفت آیا کرتے تھے آپ کے مضامین عموماً ادودہ پنج اخبار لکھنؤ کے ذرائع پر ہوتے تھے۔

میری مضمون نگاری :- دیوانہ ”ہوئے بس ست“ آپ کے ساتھ میں نے بھی مضمون نگاری شروع کر دی۔ اور نہ صرف مضمون نگاری بلکہ شاعری بھی شروع کر دی۔ اس شاعری میں حسن و عشق کے کرشمے نہ ہوتے تھے بلکہ ادبی اور اخلاقی مضامین ہوتے تھے۔ مدرسہ نعمانیہ کے بچوں کے نام سے مختلف اخباروں میں مضامین شائع کرتا تھا۔ اخبار ”وفادار لاہور“ میرے ان مضامین کا بہت زیادہ مداح رہا کرتا تھا۔

ہٹر بونگ :- مدرسہ نعمانیہ پورینی کا ایک جلسہ بمقام بھگل پور ہوا۔ پورینی کی قادیانی جماعت کے انگریزی تعلیم یافتوں میں سے کسی نے اس کے جلسے کی روک تھام نہایت ہی برے انداز میں بر زبان انگریزی شائع کرایا۔ جناب مولوی فقیر حسن صاحب، سررشتہ دار جی و نائب صدر انجمن ”انجمن غریبا پورینی“ نے اس کا ترجمہ مجھ کو دیا۔ میں نے ایک طویل مگر اردو مضمون میں اس کا سخت جواب دیا۔ یہ جواب کئی اخباروں میں قسط وار شائع ہوا۔ رفیق چچ مراد آباد نے اس کو چند قسطوں میں شائع کیا۔ یہ مضمون اگرچہ گناہ تھا مگر مخالفین کو معلوم ہو گیا کہ اعزاز علی اس میں شریک ہے۔ اس لئے درپے آزار ہو گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ نہ میں کبھی خائف ہوا نہ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچا سکا۔ میری یہ مضامین نگاری اسی پر ختم نہ ہوئی بلکہ مدرسہ نعمانیہ میں یا پورینی کے کسی خاندان میں کوئی چیز قابل اصلاح ہوتی تھی اور اس کو صفائی کے ساتھ سامنے آکر نہ روکا جاسکتا تھا۔ تو اس کے متعلق کسی مجبول شخص کے نام سے اخبار میں لکھ دیتا تھا۔ اور عموماً اس کا اثر اچھا ہوتا تھا۔ مگر غالباً آج تک بھی علام الغیوب کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں کہ ان مضامین کا کاتب کون تھا۔

مدرسہ نعمانیہ کی تعمیر :- مذکورہ مدرسہ کی تعمیر ہوئی۔ یہ ایک خام عمارت تھی۔ پھوس کے چھپر اس پر ڈالے گئے تھے۔ اس کے اختتام کی خوشی میں ایک مختصر سا جلسہ ہوا۔ بھگل پور سے بھی کچھ لوگ بغرض شرکت آئے۔ مدرسہ کے بچوں نے میرے لکھے ہوئے مضامین اپنے اپنے نام سے پڑھے۔ آخر میں میں نے ایک نظم پڑھی جو ساٹھ یا ستر شعر پر مشتمل تھی اور جس کا مطلع یہ تھا۔

یا خدا اہل پورینی پہ ہے تیری رحمت ایسی گناہ سی بستی کو عطا کی شہرت

حضرت الاستاذ مولانا الحاج المولوی محمد سہول صاحب فطری طور پر رقیق القلب تھے۔ انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ پس پھر کیا تھا۔ جلے کے اکثر شرکاء نے اس کار خیر میں شرکت کی خود میں بھی رویا۔ یہ اشعار طبع تو نہ ہوئے مگر اس کی نقول بھگل پور کے متعدد اصحاب کے پاس اب تک ہوں گی۔

مدرسہ مذکورہ کا آخری اجلاس:- جناب مولوی فقیر حسن نائب صدر انجمن کی وفات ہو گئی۔ جناب مولوی سید ابو البقا محمد صاحب رئیس پورینی کا انتخاب مرحوم کی جگہ ہوا۔ مدرسہ مذکورہ کا پانچواں سالانہ اجلاس ہوا۔ میں نے اس میں ایک طویل مسدس پڑھا۔ جو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔ اور اس کے مختلف ٹکڑے بار بار اخبارات و رسائل میں شائع بھی ہوئے۔ اس کے بعد صرف ایک سالانہ اجلاس اور ہوا۔ جس میں حسن اتفاق یا سوء تدبیر سے علماء دیوبند میں سے حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امر وہی قدس سرہ۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مبتدعین میں سے مولانا محمد فائز الہ آبادی۔ مولوی احمد اشرف صاحب کچھوچھوی کا اجتماع ہو گیا۔ مؤخر الذکر فریق نے جلسہ ہی سے فتنہ اور اکابر دیوبند پر فتویٰ تکفیر کی ابتدا کر دی۔ اور یہ فتنہ بڑھتے بڑھتے بہت زیادہ ہو گیا۔ مگر میں اس وقت بھگل پور سے شاہجہانپور آ گیا تھا۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی شفقت:- علی گڑھ کالج کے ایک ظریف اور ذکی طالب علم نے اپنے معاصرین کے ایک مخصوص جلسے میں ظریفانہ انداز میں کہا کہ مجھ کو تم سب پر فوقیت حاصل ہے لوگ سمجھ گئے کہ اس وقت کوئی دل خوش کن بات معلوم ہوگی۔ اس لئے کئی آوازیں آئیں کہ غلط ہے۔ فرمایا کہ دیکھو۔ کوئی ہندو یا مسلمان انگریزی کا طالب علم ایسا بنا سکتے ہو جو لندن گیا اور امتحان میں کامیاب ہو کر نہ آیا ہو۔ حاضرین نے کہا کہ ایسا کوئی نہیں ہے۔ فرمایا کہ یہ طغرائے امتیاز مجھ کو اور صرف مجھ کو حاصل ہے کہ میں لندن گیا۔ وہاں سالہا سال رہا اور امتحان میں ناکام ہی رہا۔ اس پر ایک قہقہہ لگا۔ حضرت شیخ الہند کے تلامذہ فلک علم

کے شمس اور بدر ہیں۔ مگر یہ فضیلت تامہ مجھ کو اور صرف مجھ کو ہی حاصل ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے کثرت مشاغل ضروریہ اور ضعف قویٰ کے باوجود میرے اس نصف مسدس میں اصلاح کی۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کو بجز میرے کسی کے اردو اشعار میں اصلاح کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ (ع) بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ست۔ میں نے مذکورہ بالا مسدس حضرت ممدوح قدس سرہ کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا۔ یہ مسدس تو سے زیادہ اشعار پر مشتمل تھا۔ ان اشعار میں میں نے امت اسلامیہ کا مدوجز بتا کر مدرسہ دیوبند کی پنا کا اور اس کے بانی قطب العالم قاسم الخیرات نور اللہ مرقدہ کا ذکر کیا۔ اور یہیں تک حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے اصلاح فرمائی۔ بعد والے اشعار میں مدرسہ نعمانیہ پورنی کے کلرکوں کی مدح۔ مدرسہ کے کارنامے۔ عام چندے کی اپیل تھی۔ ان اشعار میں آپ نے کوئی ترمیم نہیں فرمائی۔

مسدس :- مدرسہ مذکور کا ابتدائی اور اصلاح شدہ حصہ یہ ہے۔ اجلاس سالانہ مدرسہ نعمانیہ پورنی ضلع بھاگل پور ۱۳۲۶ھ

مرثیہ باد ای حامیان قوم، و ہمدردان دیں مرثیہ باد، ای خادمین شرع و قرآن مبین
مرثیہ باد، ای نائبان رحمۃ للعالمین مرثیہ باد، ای ورائین علم ختم المرسلین

درد مندین یتامیٰ! لو، مبارک باد ہو
سرپرستانِ ایامیٰ! لو، مبارک باد ہو

ہے غریبانِ پورنی کی جو یہ اک انجمن جس کی غربت ہو گئی مقبول ربّ ذوالجین
فیض سے جس کے ترو تازہ ہوا دینی چمن جس سے یاں پھیلے اصول وفقہ و تفسیر و سنن

پانچواں سالانہ جلسہ آج اس کا دیکھئے
فیض نے اس کے کھلائے گل ہیں کیا کیا دیکھئے

اک طرف تشریف فرما، اہل علم و اتقیا اک طرف رونق فزا، خاصانِ حق اور اصفا
اک طرف جلوہ فروز اسلام کے اہلِ سقا اک طرف ہے عاشقانِ دین کا مجمع بھرا

یہ وہ مجمع ہے کہ ہے مصداقِ حزبِ اللہ کا
آنکھ پڑتے ہی زباں سے نکلے ہے صلِّ علی

تھی جہالت کی گھٹا چاروں طرف چھائی ہوئی چھوڑ بیٹھے تھے مسلمان راہِ بتلائی ہوئی
کھوپکے تھے دولتِ اسلام ہاتھ آئی ہوئی بگڑی وہ حالت کہ اک خلقت تماشائی ہوئی

بن کے ایسے بگڑے، غیروں کو بھی رونا آگیا
خندہ غفلت سے مہلت ان کو ہو یہ ذکر کیا

ان کے اعمال اور کچھ تھے، اور تھے اقوال کچھ حالتِ دل اور کچھ تھی، اور قیل و قال کچھ
سمجھے تھے جہل و فلاکت ہی کو اپنا مال کچھ تھے زباں پر صرف پہلوں کے حصص امثال کچھ

تھی ترقی روز و شب ان کو مگر معکوس تھی
ان کی صحت سے طبیعت ہو چکی مایوس تھی

کثرتِ جہل و ہوس سے ہو چکے تھے پامال کیا عجب تھا مگر اتنا قریبِ ذوالجلال
ذلت و خواری کو سمجھے تھے یہ دولتِ لازوال منہمک دنیا میں تھے، عقبی کا تھا کسی کو خیال

خسف کے شایاں تھے قاتلِ مسخ ہو جانے کے تھے
صفحہ ہستی سے لائقِ تیغ ہو جانے کے تھے

یہ تو سب کچھ تھا مگر آخر یہ امت کس کی تھی خلقتِ آدم سے پہلے ہو چکے تھے جو نبی
امتِ مرحومہ کا پیارا لقب تھی پاچکی۔ پھر بھلا ذلت میں کتنی کیونکر اس کی زندگی

باعثِ ایجادِ عالم سے ہے اس کو انتساب
مہبطِ الطافِ یزداں جن کی ہے عالی جناب

امتِ فخرِ دو عالم کی جو یہ حالت ہوئی غیرتِ حق سے نہ ذلت ان کی یہ دیکھی گئی
دیکھ کر خیر الام کی بے زری و بے پری آفتابِ رحمتِ حق نے کی ذرہ پروری

وہ کئے اسباب پیدا اک اچنھا ہو گیا
ایک رحمت کی نظر میں کیا تھا اور کیا ہو گیا

کثرتِ عصیاں تھی یا تھی کثرتِ فقر و فحور سب کا باعث ایک تھا، تھے علمِ حقانی سے دور
اس مرض کے دور کرنے کے لئے یہ تھا ضرور شیعِ علم دیں ہو روشن، اور پھیلے اس کا نور

مادہ کا تنقیہ جب تک نہ ہو کیا فائدہ
چند روزہ گر شفا بھی ہو تو کیسا فائدہ

احمدِ مرسل ہوئے فخرِ دو عالم، علم سے اَلْف عابد ایک عالم سے ہیں کیوں کم، علم سے
خاک میں واللہ ہے شیطان کا دم، علم سے سلسلہ شرع و ہدایت کا ہے پیہم، علم سے

جب ملائک کو خلافت میں ہوا کچھ ارباب
دیکھ فضلِ علمِ آدم رہ گئے سب لاجواب

علم ہی سے خضر کو موسیٰ کی استاذی ملی جستجو موسیٰ کو عرصے تک اسی کی ہی رہی
عَلَمُكَ نَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ہے شانِ احمدی حکمِ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا کے مخاطب ہیں نبی

شیخِ عرفاں علم ہے۔ شمسِ ہدایت علم ہے
اصلِ ایماں علم ہے۔ رکنِ رسالت علم ہے

آفتابِ علم دیں چکا ہدایت کے لئے ابرِ رحمت چھا گیا علمی اشاعت کے لئے
علم نے ٹھہرایا اک موقعِ اقامت کے لئے تھے جہاں ابراہیم امتِ دینی خدمت کے لئے

سب نے مل کر مدرسہِ اخلاص سے قائم کیا
مصدرِ فیضِ نبی دیوبند سا قصبہ ہوا

مخزنِ علمِ نبی، آنکھوں کا تارا، دیوبند معدنِ فضل و ہدی، ہم سب کا پیارا، دیوبند
پنچہ شیطان سے چھٹنے کا سارا، دیوبند دیوبندی ہم ہیں ”مس“ اور ہے ہمارا دیوبند

ہونے بھی دو گر کسی کو امین و آل پر ناز ہے
نسبتِ دیوبند یاں تو ملیے اعزاز ہے

تھانئیں الطائفان سب کا اک قطبِ زمن ہادی راہِ یقین، کشافِ قرآن و سنن
قاسم بزمِ ہدایت، مقتدائے اہل فن فیض سے جس کے تروتازہ ہے مصطفویٰ جن

دلولہ ہے دل میں لہجے نامِ نامی آپ کا
قاسم الخیرات ہے اسمِ گرامی آپ کا

منظرِ اسماء و افعالِ جنابِ کبریا منظرِ اخلاق و اوضاعِ محمد مصطفیٰ
تاجدارِ ملکِ فقر و صدرِ بزمِ اولیا رازِ دایرِ دینِ حق، سرچشمہٴ علم و ہدٰی

کیا فقط دیوبند ہی محمود اور ممتاز ہے
سر زمینِ ہند کو اس رہنما پر تاز ہے

آفتابِ علم جب دیوبند سے روشن ہوا عکس اس کا شرق سے مغرب تک پڑنے لگا
بچے سے بوڑھے تک ہر اک کو فیض اس کا ملا اپنی اپنی قابلیت کا ہی بس اک فرق تھا

فیض سے اس کے منور ہیں زمین و آسمان
ہے حدیثِ سرورِ کونین کی تکرار واں

افضل المدارس شاہجہانپور میں :- والد رحمہ اللہ زائد از حد ضعیف ہو چکے تھے، ان کو
توقع تھی کہ اگر میں شاہجہان پور میں قیام کر لوں گا تو ان کو فی الجملہ آرام پہنچے گا۔ اس لئے ان کے
ارشاد کے موافق میں نے مدرسہ نعمانیہ پوری کی ملازمت ترک کی اور مدرسہ افضل المدارس شاہ
جہاں پور کی خدمت منظور کر لی۔

اس مدرسہ کی سرپرستی جناب مولوی ریاست علی خاں شاہ جہان پوری مرحوم کے متعلق
تھی، یہ صاحب جناب مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری کے شاگرد تھے، ان کے حراج
مبارک میں علو اس قدر تھا کہ اپنے زمانہ کے کسی عالم کو طفلِ مکتب سے زیادہ درجہ نہ دیتے تھے،
اگر ”اؤ کرواحسان موناہم“ پیش نظر نہ ہوتا تو ان کے اقوال و افعال ضرور بیان کرتا، کیونکہ بہت
زیادہ دلچسپ تھے۔

مدرسہ مذکورہ میں میری تدریس ہوتے ہی موصوف نے جناب حاجی فضل احمد خاں صاحب
کو بلوایا (حاجی صاحب مرحوم اس مدرسہ کے تمام اخراجات کے کفیل تھے) اور کہا کہ اگر تم اپنا
روپیہ حرام کاری، شراب خوری، اور قمار بازی، میں صرف کرتے تو ظاہر ہے کہ بہت بڑے

گنہگار ہوتے، مگر اس قدر گناہ نہ ہوتا جس قدر کہ اس دیوبندی کو مدرس بنانے سے ہو رہا ہے۔ اور یہ گناہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک کہ اس کا پڑھایا ہوا ایک فرد بھی زمین پر باقی رہے گا۔ حاجی صاحب مرحوم بھی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہ تھے ان پر اس کا اثر کچھ نہ ہوا۔ ہنس کر چپ ہو رہے۔ بعض بعض مسائل میں ان سے تحریر بازی ہوئی مگر کسی طویل تحریر کا موقع نہ آیا۔

میرے حواشی:- افضل المدارس کے اس قیام میں میں نے ارادہ کیا کہ کنز الدقائق کا مختصر تحشیہ کروں، جو کہ جامع اور مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ مفید بھی زیادہ ہو۔ اس حاشیہ کے دو چار ورق بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حاجی فضل احمد خاں صاحب علیل ہوئے بغرض علاج مراد آباد تشریف لے گئے، اور وہیں انتقال ہوا، میں نے اس مدرسہ میں ایک ماہ تک کام کیا، اس کے بعد تحریک حضرت الاستاذ مولانا الحاج المولوی محمد سہول صاحب کہ اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے مدرس تھے دارالعلوم مذکورہ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگا۔

مطبع قاسمی:- دارالعلوم دیوبند میں آیا تو مطبع قاسمی عروج پر تھا، حضرت مولانا حبیب الرحمن (رحمۃ اللہ علیہ) مددگار مہتمم دارالعلوم دیوبند سے کنز الدقائق کے تحشیہ کا ذکر کیا، مددوح نے ہمت افزائی کی۔

یہ تحشیہ ابھی شروع بھی نہ ہوا تھا کہ حضرت مولانا سید سراج احمد صاحب مدیر القاسم والرشید نے فرمایا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے نور الایضاح کے تحشیہ کا حکم دیا ہے، اس کی تعمیل تم کر دو، چنانچہ میں نے نور الایضاح کا تحشیہ کیا، اس حاشیہ کی کل حقیقت اس قدر تھی کہ مراقی الفلاح اور مخطاوی کی بعض عبارتوں کا فarsi ترجمہ کہیں بین السطور اور کہیں حاشیہ تھا۔ نور الایضاح اپنے خصائص کی بنا پر مدارس اسلامیہ میں محتاج الیہ بن چکی تھی اور چونکہ اس میں زکوٰۃ اور حج کا ضمیمہ بھی ساتھ کر دیا تھا اس لئے اس حاشیہ کو بہت پسند کیا گیا، مگر میں سمجھا تھا کہ یہ تعلیق تشنہ ہے اور جب میں حضرت مولانا الحاج المولوی الحافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نمر کابی میں حیدر آباد دکن بسلسلہ افتاء گیا تو وہاں اپنا زائد وقت اس کے تحشیہ جدیدہ میں صرف کیا، ایک مرتبہ تسوید کی، اور دوسری مرتبہ تیسیمین۔

یہ حاشیہ مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوا مگر کارکنان مطبع کی بے توجہی سے نہ طباعت عمدہ ہوئی نہ کتابت۔ مگر یہ ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ اس کو دوبارہ کتب خانہ انصاریہ دیوبند نے طبع کیا۔ اور بہت خوش نما طبع کیا۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے اس کو چھاپا مگر مطبوعہ کتب خانہ انصاریہ کی طرح نہ چھاپ سکے۔

دیوان حماسہ :- نور الایضاح کے حاشیہ کی طباعت ہو ہی رہی تھی کہ خود ہی دیوان حماسہ کا خیال آگیا۔ میں نے بزمانہ طالب علمی اس کے پڑھنے میں بڑی بڑی دقتیں اٹھائی تھیں۔ اور کتابت و طباعت کے ناقابل استفادہ ہونے کی وجہ سے گویا کہ کوہ کندن و کلہر آور دن کا مصداق تھا۔

کنز الدقائق کے تحشیہ سے پہلے اس کا تحشیہ شروع کر دیا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنا تو تحشیں فرمائی۔ اس حاشیہ کی حقیقت صرف اس قدر تھی کہ ابتدائی اوراق کے علاوہ بقیہ میں زیادہ تر عبارتیں فیضی شارح دیوان حماسہ کی تھیں اور تھوڑا سا حصہ تمبری کا بھی تھا۔ تسہیل الدراسہ سے صرف اس قدر استمداد کرتا تھا کہ شعر کے معنی کے متعلق مترجم کی رائے معلوم کر لوں۔

میں نے چاہا کہ میں مانوؤ عنہ یا منقول عنہ کا حوالہ دوں مگر کارکنان مطبع نے کہا کہ اگر اس کے حوالے دیئے جاویں گے تو دیگر مطالع کو بلا اجازت کر لینے میں سہولت ہوگی، چنانچہ کنز الدقائق کے حاشیہ میں یہی صورت پیش آئی کہ بعض موقر اہل مطالع نے اس کو بجنسہ مع حوالجات کے طبع کر لیا صرف وہ عبارتیں ساقط کر دیں جو میرے نام سے تھیں، اسی وجہ سے حوالوں کی نہ کتابت ہوئی نہ طباعت، کاتب نے حاشیہ کے صفحہ کو خالی دیکھ کر ہر صفحہ کے آخر میں میرا نام لکھ دیا۔

دیوان حماسہ کا یہ ایڈیشن ہاتھ فروخت ہوا، لامیۃ المعجزات، قصیدہ اخلاقیہ کے تراجم شائع ہوئے اور آخر وہ وقت آیا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی وفات ہوئی۔

فلک کی رفتار کج کے شکوے بتاؤ کس سے کروں میں جا کر ہزاروں نقشے گاڑ ڈالے بنانا کر بنانا کر

میں ان حضرات کے زمانہ حیات میں بھی اس سے غافل نہ تھا کہ اگر یہ مقدر ہے کہ میں ان کے بعد دنیا میں رہوں تو یقیناً یہ حضرات اپنے الطاف و احسانات کی وجہ سے اکثر یاد آیا کریں گے، مگر سچ یہ ہے کہ یہ خیال و سوسہ کے درجہ میں بھی نہ تھا کہ ان کی یاد زندگی کے ہر ہر لمحے میں ستائے گی۔

کیسی کیسی صورتیں آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں اس وقت اگرچہ مطبع قاسمی جناب مولانا مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور جناب مولوی قاری حافظ محمد طاہر سلمہا کے نام منتقل کیا جا چکا تھا، مگر مالکانہ تصرفات اور احکام موخر الذکر ہی کے جاری تھے اسی زمانہ میں دیوانِ حملہ کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا اور مطبع قاسمی ہی نے شائع کیا، اس ایڈیشن کی کتابت، طباعت، کاغذ، غرض کہ ہر چیز مسخ تھی اور فی الواقع ناقابلِ استفادہ تھا، مگر چونکہ اس کے ساتھ اردو کا ترجمہ بھی تھا جو غالباً تسہیل الدراسہ سے لے لیا گیا تھا اس لئے اس کے تمام نقائص پر پردہ پڑا ہوا اور یہ ایڈیشن بھی بہت جلد فروخت ہو کر کمیاب ہو گیا، اور طلبہ آج بھی اس کو اضعاف مضاعف قیمت پر خرید لیتے ہیں۔

دیوانِ حملہ کا تیسرا ایڈیشن میرے عزیز دوست جناب مولوی سید احمد صاحب مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند نے طبع کرایا میں نے اس کے سابقہ حاشیہ پر بہت سے اضافے کئے، استاذ نے بوقت درس جو کچھ بتایا تھا اس کا بھی کچھ حصہ اس میں آگیا، تجریدی کی تحقیق بھی اس میں آگئی، حماسی شعراء کے حالات دوسری کتابوں سے نقل کئے، غرض یہ کہ عرق ریزی میں کمی نہ کی۔

کتب خانہ اعزازیہ کے مالک نے اس کی طباعت بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ کی، بے دریغ زر کثیر صرف کیا، اور نہایت آب و تاب سے شائع کیا۔

کنز الدقائق کے تمشیہ میں اس کی شروع و غیرہ اسے امدادی، دیوانِ متبنی کی تعلیق کے لئے العرف الطیب واحدی، عکبری، سے استفادہ کیا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ ہائے کا ترجمہ نہ کرنے کا قلق رہا، یہ قصیدہ لامیہ المعجزات کی طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا گراں نمایہ خزانہ ہے، لیکن اس کے سمجھنے کے لئے واقعات کی تفصیل ضروری ہے، حضرت ممدوح نے ان واقعات

کو خصائص کبریٰ للسیوطی سے لیا ہے، اور دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں جو نسخہ اس کا داخل کتب خانہ ہے اس پر پنل سے نشان دیئے ہیں، ایک قسم کا نشان لامیہ المعجزات کے لئے لکھے ہوئے معجزات کا ہے، دوسری قسم کا نشان ان معجزات کے لئے ہے جو بانیہ کے لئے لکھے گئے ہیں میں نے اس تفصیل سے اس طبع کی بنا پر لکھا ہے کہ شاید میرے احباب میں سے کوئی صاحب اس کے لئے من جانب اللہ موفق ہوں۔

”القاسم“ و ”الرشید“ :- مدرسہ اسلامیہ دیوبند کی روئداد کے ابتدائی اوراق خود حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھا کرتے تھے، ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ میں اس طرح لکھتا ہوں کہ اگر کسی وقت کسی کا ارادہ ہو کہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ مرتب کرے تو یہ روئدادیں اس کے اس ارادے کی اچھی خاصی معین ہو سکیں۔

مگر وہ عہدیم الفرصت زیادہ تھے، اس لئے روئداد کی اشاعت میں بعض مرتبہ زائد از حد توقف ہو جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ ان کو بالکل فرصت نہ ملی، تو جناب فشی منظور احمد صاحب مرحوم نے کہ روئداد کی طباعت و اشاعت کا تعلق انہیں سے تھا مجھ سے فرمایا کہ روئداد میں فلاں عنوان باقی ہے اگر تم لکھ دو تو روئداد کی تکمیل ہو جاوے، میں نے تعمیل کی، انہوں نے میری اطلاع کے بغیر میرا یہ مسودہ حضرت مولانا ممدوح کی خدمت میں پیش کر دیا، ممدوح نے میرا خط پہچان لیا، اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور اس کے بعد سے روئداد مذکور کے ابتدائی اوراق کی تحریر میرے ذمہ ہو گئی، کبھی کبھی بعض بعض عنوانات بتا دیا کرتے تھے، اس مضمون نویسی کے سلسلے میں میرا نام کسی جگہ بھی نہ تھا۔

یہ مصروفیت میرے لئے بڑی مصروفیت تھی کہ حضرت مولانا سید سراج احمد صاحب مدیر القاسم والرشید نے ان دونوں رسالوں سے دلچسپی کم کر دی، اور نوبت بایں جاریہ کہ آٹھ آٹھ نوہ ماہ کے بعد کبھی القاسم کبھی الرشید شائع ہونے لگا، خریداران رسالہ میں اس حد تک کمی ہو گئی کہ غالباً پانسو (۵۰۰) بھی نہ تھے، حضرت مولانا ممدوح الصدور کو اس کی گرانی تھی، میں نے ان کے ایما سے ان دونوں رسالوں کی خدمت شروع کر دی۔

میرا نام مضمون نگاروں میں رہا، مدیر کی طرف سے مضامین بھی میرے ہی ہوتے تھے مگر

حضرت مولانا سید سراج احمد صاحب کے نام سے، گویا مضمون نگاری ہی کا کام میں کرتا تھا، احکام انہیں کے جاری ہوتے تھے۔

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا:۔ القاسم میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مضمون بعنوان ”دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا“ شروع کیا، حضرت ممدوح اپنے طرز تحریر کے خود ہی واحد مالک تھے، اس مضمون کی دھوم مچ گئی، یہ مضمون باقسط القاسم میں شائع ہوا، اور ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ القاسم بند ہو گیا، مطبع قاسمی کے کارکنوں نے اس کو القاسم کے پرچوں سے نقل کر کر کے کچلائی شائع کر دیا۔

مجھ کو معلوم ہے کہ حضرت ممدوح نے اس کو پسند نہ کیا، ان کی رائے اس بارے میں بہت ادنیٰ تھی، وہ چاہتے تھے کہ اس پر نظر ثانی کر کے ترمیم کی جاوے، واقعات کے حوالے دیئے جاویں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں ان کی کچھ نہ چلی، کتاب شائع ہوئی اور بہت مقبول ہوئی۔

میں نے اپنی مضمون نگاری کے سلسلے میں ایک مرتبہ کچھ لسط کے ساتھ یہ لکھا کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کو دنیائے علم نے بنظر استحسان دیکھا، خواص و عوام میں اس کی مقبولیت ہوئی، مگر اس تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے لانا ضروری تھا جس کا عنوان یہ ہوتا کہ ”دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا“ جس کا مطلب ہوتا کہ اسلام فطرت انسانی کے مطابق ہونے کی وجہ سے مقبول خاص و عام تھا، دنیا اس کے سامنے سر جھکانے کے لئے بے چین تھی، اور جس طرح شمع سے پرانوں کو روکا جاتا ہے اسی طرح خدا کے راستے سے ہٹکے ہوؤں کو دین حق کی طرف آنے سے روکا جاتا تھا۔ پرستار ان توحید کو روکنے کے لئے جس ہریمیت اور درنگی کو ضروری سمجھ لیا گیا تھا وہ اگرچہ

بنا کر دند خوش رسے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند اس عاشقان پاک طینت را

کے موافق اسلامی طفیلی کو روکنے کے لئے ناکافی تھا، تاہم ان بے پناہ مظالم نے کفر کو سطح زمین سے معدوم نہ ہونے دیا، اور صرف یہ تجویز ہی پیش نہ کی بلکہ بعض واقعات کو لکھ کر نمونہ بھی پیش

کر دیا۔ علام الغیوب ہی جانے کہ اس تجویز میں کیا مقناطیسی اثر تھا کہ اطراف و جوانب سے اس کی تائید ہوئی، اخبارات و رسائل نے اس کی اہمیت تسلیم کی، خطوط میں اس پر اصرار شروع ہو گیا، حتیٰ کہ کتاب "اشاعت اسلام" مصنفہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ نے تقریظی کلمات لکھے تو میری اس تحریک کی تائید بھی بہت زیادہ کی، اور البوادر النوادر میں تو یہاں تک شائع ہوا کہ اگر اعزاز علی اس قرار کو پورا نہ کر سکے تو کوئی دوسرے صاحب قلم اس خدمت کو انجام دیں، اور اسی سلسلہ میں مجھ کو اعزاز العلماء کا خطاب دیا جو میرے لئے سرمایہ آخرت ہے کانگریس اور جمعیت العلماء متفق ہو کر حکومت برطانیہ کو ہندوستان بدر کرنا چاہتی تھیں، گر قذریوں پر گر قذریاں شروع ہو گئی تھیں کہ حضرت الاستاذ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی بھی برطانوی اقتدار کے زیر سایہ ملتان جیل میں ڈیڑھ سال کے لئے مہمان کر دیئے گئے۔

میں نے الجمعیت دہلی میں اس گر قذری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ میں اس اسدات میں اپنی مذکورہ بالا کتاب لکھوں گا اور حضرت الاستاذ کے نام نامی سے معنون کروں گا۔ یہ زمانہ جوش کا زمانہ تھا، تائیدی اور اصراری خطوط آنا شروع ہو گئے۔ ایک رئیس صاحب نے تو وقت شروع سے ختم کتاب پچاس روپیہ ملانہ بھی دینے کا وعدہ از خود کیا۔ میں نے ابھی اس کو شروع بھی نہ کیا تھا کہ علامہ مودودی ایڈیٹر الجمعیت کے مغرورانہ خطوط نے اس ارادہ کو پامال کر دیا۔

اہتمام قدیم غالباً ۱۹۶۷ء سے ختم ہو چکا تھا، ہم مدرسین ہی کی درخواست پر جو مولوی محمود صاحب کی تحریک پر تیار ہوئی تھی حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ نے اہتمام جدید کو منظور فرمایا تھا۔

دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا

صانع عالم جل مجدہ کے نزدیک انسان کا رتبہ کچھ اس قدر بلند تھا کہ قاصر نظریں وہاں تک شانہ ہی پہنچ سکتی ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس کو ایجاد کے دائرے میں محصور کرنے سے قبل اس کے پیدا کرنے کا اعلان کیا، اصحاب شکوک کے اقوال نے، مجمل اور مفصل جوابات دیئے، سب سے پہلے انسان (آدم) کو مع رفیقہ حیات (حواء) کے جنت میں رکھا، پھر زمین پر قیام کا حکم دیا۔

نظر سے بسوئے خود کن کہ تو جہان دلربائی تنہا کن بخاک خود را کہ تو از بلند جلالی
تو ز چشم خود نہمانی تو کمال خود چہ دانی چو دُر از صدف بروں آ کہ بے گراں بہائی
ملائکہ مقربین کی مسجودیت، و کَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کَلْبًا کا قابلِ صد غبطہ تاج ایسی معمولی چیز تو نہ تھی کہ ہر کس و ناکس اس کا لالہ ہوتا۔

صرف اعزازات ہی کے ذریعہ ہی سے نوع انسانی کی عزت افزائی نہ کی گئی، بلکہ دنیا میں پہنچا کر اس کی مخفی اہلیتوں کو اجاگر کرنا اور دکھانا بھی تھا کہ یہ تعظیم و تکریم بلا وجہ نہیں ہے، مراتب عالیہ کے ذرۂ علیا پر پہنچانے کے ارادے سے شیاطین کے دامِ تزییر سے بچانے کے لئے اس کو عقل کی پُر انوار شمع دی۔ ارضی و سماوی، انفسی شواہد اس قدر موجود کر دیئے کہ ان پر نظر کرنے کے بعد رب السموات والارض کی ربوبیت، خلاق عالم کی صفتِ خلق، مالکِ حقیقی کی ملک تام، قادرِ مطلق کی قدرت کاملہ وغیرہ وغیرہ صفات ذات و افعال کا انکار کر ہی نہ سکے۔

نور عقل کی تابانی میں یہ دلائل نہ صرف افلاک کی گردشوں، سیاروں کی حرکتوں، نجوم کے طلوع و غروب، آفتاب و ماہتاب کے مامورانہ عروج و ہیبوط سے ظاہر ہوتے تھے بلکہ زمین کے تنکے تنکے سے اور ذرہ ذرہ سے عیاں تھے، حتیٰ کہ اگر ایک بادیہ نشین جزم و یقین کے طریقے پر یہ کہہ سکتا ہے کہ

الْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعْبِ وَأَثَارُ الْأَقْدَامِ عَلَى الْمَسِيرِ فَهَذِهِ السَّمَاءُ ذَاتُ الْأَبْوَاجِ وَالْأَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ كَيْفَ لَا تَدُلُّ عَلَى اللَّطِيفِ الْخَبِيرِ

ترجمہ:- کسی جگہ اونٹ کا پاٹھانہ دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں سے اونٹ گزرا ہے، کسی جگہ قدم کے نشانات دیکھ کر بے اختیار زبان سے نکلتا ہے کہ

کے دیتی ہے شوخی نقشِ پائی، ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

تو پھر یہ برجوں والا آسمان، اور بڑے بڑے میدان والی زمین خالقِ عالم کے وجود کا یقین کیوں نہ دلا دے گی۔

تو ایک حقیقت شناس یوں بھی فرما سکتا ہے کہ

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید و حدہ لاشریک می گوید

ار سالِ رسل اور اس کی حکمت:- قادرِ مطلق کے وجود، توحید، صفاتِ قدیمہ کے یہ دلائل و براہین غیر محدود اور ان گنت تھے، ذرہ ذرہ سے عیاں تھے، مگر صرف انہیں لوگوں کے لئے مفید تھے جو آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہوں، قلوب اور عقول کو گتھیوں کے سلجھانے میں استعمال بھی کرتے ہوں۔ ہاں ان دلائل سے وہ لوگ ضرور بے سہرہ تھے جو دیکھتی ہوئی روشن آنکھیں رکھنے کے باوجود ٹائیٹا ہوں، سننے کی طاقت رکھنے والے کانوں کے ہوتے ہوئے بھی نپٹ ہرے ہوں، بیدار قلوب اور ہوشیار عقول کے مالک مگر دیوانے اور مجنون ہوں،

اور
أَوَلَيْكَ كَالْإِنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ

ترجمہ:- یہ لوگ انسان نما بہائم ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم گشتہ راہ ہیں۔ (الاعراف: ۱۷۹)
کا خطاب حاصل کرنے میں مگن ہوں۔

ضرورت تھی کہ ان بصارت والے بے بصیرت لوگوں کے دلائل میں کچھ اور قوت پیدا کی جاوے تاکہ سوتے ہوؤں کو جھجھوڑیں، اندھوں کو دیکھنے پر مجبور کریں، بہروں کو چیخ چیخ کر سنادیں، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ عقیدہ کو دہمی حائل تھا کہ خالق و مخلوق میں کوئی مناسبت نہیں، بلکہ قدوس میں اور نطفہ حقیرہ سے پیدا ہونے والے مملوک میں کوئی مابہ الاشتراک نہیں، ذات خداوندی اگر ہر عیب سے پاک ہے تو نوع انسانی ہر عیب سے بھرپور، وہ منتہائے علو میں اور یہ کمال سفلی میں، افادے اور استفادے کے لئے مفید اور مستفید میں تناسب شرطِ اول ہے۔

ضرورت رسالت کے لئے چند مثالیں :- چلنے کے جاڑوں میں سردی سے ٹھہرے ہوئے شخص کو گرمی پہنچانے کے لئے اگر جلتی ہوئی آگ کے دھتکے ہوئے انگارے اس پر ڈال دیئے جاویں تو اس برقانی جسم میں گرمی پہنچے یا نہ پہنچے، مگر تھوڑی ہی دیر میں راکھ کا ڈھیر ضرور ہو جاوے گا، کیوں؟ صرف اس لئے کہ آگ سے بلا واسطہ حرارت کا استفادہ جسم انسانی کر ہی نہیں سکتا، چاول اور آگ بہت سے امور میں شریک ہیں، مگر اگر آگ کی حرارت سے فائدہ اٹھا کر چاول سے انسانی غذا کی قابلیت پیدا کی جاتی ہے تو یہ تو نہ ہو گا کہ چاول کو جلتی ہوئی آگ پر یا آگ کو چاولوں پر رکھ دو، اگر ایسا کیا تو ظاہر ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں کپے ہوئے چاولوں کے بجائے کالی کالی راکھ نظر آوے گی، گیہوں کے آٹے سے اگر روٹی پکائی ہے تو یہ احتقانہ طریقہ ہو گا کہ آٹے کو آگ میں ڈال دیا جاوے، ان سب صورتوں میں واسطے کی ضرورت ہے، سردی سے ٹھہرے ہوئے انسان کو گرمی یوں پہنچائی جاسکتی ہے کہ انگلیٹھی میں انگارے بھر کر اس کے پاس رکھ دو، انگلیٹھی کے توسط سے آہستہ آہستہ حرارت اوس تک پہنچ سکے گی، چاولوں میں دیکھی کے توسط سے حرارت پہنچاؤ۔ گیہوں کے آٹے میں لوہے کے توے سے حرارت کا استفادہ کرو تو یہ صورتیں مفید ہوں گی۔ اور چاول یا گیہوں انسان کے مفید غذا بنکر بدل مایہ تبدیل ہو سکیں گے۔

اسی طرح ذات خداوندی سے کمالات کا استفادہ، اخلاق کا اسکمال، مرضیات کا استعظام بلا توسط ناممکن تھا، اس کی تجلیات اس سے زیادہ موثر ہیں جس قدر آگ جسم انسانی یا چاول وغیرہ کے لئے۔

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ:- ”پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی، تجلی نے اس (پہاڑ) کے پرچے

”اڑائی“

میں اسی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسی لئے ضرورت تھی کہ عابد اور معبود کے درمیان میں کچھ ایسے قدسی صفات نفوس واسطہ بنیں جو عالم بالا سے خود استفادہ کریں اور عالم سفلی کے لئے افادہ کریں، طائفہ اعلیٰ سے بھی تعلق تام رکھتے ہوں۔ اپنی روحانیت کے اعتبار سے ملکوتی صفات سے موصوف ہوں، دوسری جانب نوع انسانی سے بھی مناسبت تامہ ہو تاکہ نہ استفادہ اور استفادہ میں کوئی رکاوٹ ہو، نہ افادے اور افادہ میں کوئی مانع ہو۔ انہیں نفوس مقدسہ متوسطہ کو انبیاء و رسل کہا جاتا ہے، جولاؤڈ پیکر کی طرح مقرر کی آواز ہر ایک کان میں پہنچاتے ہوں ریڈیو کی طرح عالم میں نشر کرتے ہوں، ان کی بعثت اور توسط سے اصلی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ ناقص کو کامل اور کامل کو اکمل بنادیں، اہل غفلت کو غفلت سے نکالیں، نیند کے باتوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کریں، بھاگے ہوئے غلاموں کو پکڑ پکڑ کر ان کے ملک تک پہنچادیں۔ نبوت و رسالت کے اسی فریضہ کی طرف آپ نے اپنی اس تقریر میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم لوگ نادر جنم میں گھسے پڑتے ہو اور میں تمہاری کمرس پکڑ پکڑ کر پیچھے ہٹاتا رہتا ہوں۔

انبیاء و رسل کا اتباع کامل :- چونکہ یہ نفوس قدسیہ اسی لئے ہوتے ہیں کہ احکام خداوندی مخلوق تک پہنچادیں گم کردہ راہوں کو صحیح راستے پر لادیں، اسی لئے ضروری ہے کہ از سر تا پا رضائے ملک الملکوت کا نمونہ ہوں، معاصی سے اس قدر دور ہوں کہ بعثت سے قبل بھی دانستہ یا نادانستہ شرک وغیرہ کبائر کے مرتکب نہ ہوں، تاکہ ان معاصی کی تکوین ان کے آئینہ قلب کو زنگ آلود نہ کر دے کہ تجلیاتِ الہیہ کی شعاعیں ان میں منعکس نہ ہو سکیں، ان کے قلوب اس صاف و شفاف شیشے کی طرح ہوتے ہیں جس کو اگر آفتاب کے بالمقابل کیا جاوے تو وہ آفتابی شعاعوں کو اپنے اندر جذب کرتا اور دوسری چیزوں پر ڈالتا ہے، اگر کبائر کا زنگ ان کے قلوب پر لگ گیا تو ان میں صلاحیت ہی نہ رہے گی کہ عالم علوی کے خطابات کی روشنی سے منور ہوں، پھر دوسروں ہی کو کس طرح منور کریں گے۔

انسان پر گزرنے والے تمام اطوار و ادوار ان پر بھی گزرتے ہیں۔ بھوک ان کو لگتی ہے۔

پیارے ان کو ملتی ہے امراض میں یہ مبتلا ہوتے ہیں، صحت اور تندرستی ان کو ملتی ہے، دنیا کے غموم اور ہوم ان کے صبر و استقلال ثبات و استقامت کی آزمائش کرتے ہیں، دنیائے دنی کی ناپائدار خوشیاں ان کو ان کے منصب عالیہ سے متزلزل کر دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتیں، مگر صبر و رضا کے یہ مجتہد، اطاعت و تسلیم کے پتلے کیا جمال کہ ایک بال برابر بھی ادھر سے ادھر یا ادھر سے ادھر ہٹ سکیں، ان حالات میں یہ حضرات جو کچھ کرتے ہیں وہ امتوں کے لئے صحیح لائحہ عمل اور طریقہ رضائے خداوندی ہوتا ہے، اور اسی لئے نہ صرف یہ کہ ان کی عبادتیں قابل اقتدا اور لائق تقلید ہوتی ہیں بلکہ ان کا چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، کھانا، پینا، بھی اس لئے ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ اس کا امتثال کرے۔

پھر اگر کوئی شخص اس کی تقلید کرتا ہے کہ دنیا میں قبلہ ایک اور صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جس کو۔

أَوَّلُ نَبْتٍ وَضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ (آل عمران: ۹۶)

ترجمہ:- وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو مکہ میں ہے۔

کی فضیلت عطا فرمائی گئی ہے تو غالباً اس کی تقلید قابل توجہ ہے، کیونکہ اس قبلہ کی ضرورت نماز، حج، وغیرہ مخصوص عبادتوں کے سوا کسی اور موقع پر نہیں ہوتی ہے۔ — زکوٰۃ استقبال قبلہ بغیر ادا ہو جاتی ہے، روزے میں استقبال قبلہ کی حاجت ہی نہیں، اس سے زیادہ یہ کہ اسلام اور ایمان کے لئے اس قبلہ (خانہ کعبہ) کا استقبال ضروری نہیں ہے جس پر تمام عبادت کی صحت کا مدار ہے۔

لیکن ایک قبلہ اور بھی ہے جس کی ضرورت ہر چھوٹی بڑی عبادت کے لئے ہے اور یہ قبلہ ایسا قبلہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس کے استقبال سے عبادت، عبادت ہوتی ہے، بلکہ اس کا استقبال غیر عبادت کو بھی عبادت بنا دیتا ہے، اس کے ذریعہ سے عادات و فطریات کو بھی عبادت ہی کی طرح تحصیل ثواب اور تقرب الہی کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے، پس اگر پہلی قسم کے قبلہ کو قبلہ خاصہ کہا جاسکتا ہے تو اس قبلہ کو قبلہ عامہ قرار دینا چاہئے۔

یہ قبلہ انبیاء علیہم السلام کی ذات اور ان کے افعال ہیں خانہ کعبہ کی وجہ سے اگر بعض عبادتیں عبادتیں کسی جاسکتی ہیں۔ یا بعض عبادتوں میں ثواب آخرت کی زیادتی ہو سکتی ہے تو اس قبلہ کی ضرورت سے نہ کوئی عبادت خالی ہے نہ عادت — میں اس کا منکر نہیں کہ بعض نمازوں میں استقبال قبلہ ضروری ہے۔ یعنی اگر انسان رو بقیلہ ہو کر نماز ادا نہ کرے تو نیکی برباد گناہ لازم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ نماز ہی فاسد ہوتی ہے بلکہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں استقبال قبلہ کے بغیر نماز موجب کفر ہوتی ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ بعض نمازیں ایسی بھی ہیں کہ استقبال قبلہ کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہیں۔ فقہ کا یہ مسئلہ غیر معروف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص شہر سے باہر بحالت سواری سفر کر رہا ہے تو اس کی نماز استقبال قبلہ کے بغیر بھی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جن نمازوں کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے ان میں بھی استقبال قبلہ غلے وجہ الکمال ضروری نہیں ہے۔ بلکہ خانہ کعبہ کے قرب و بعد۔ بلندی و پستی کے اعتبار سے اگر تھوڑا سے انحراف بھی ہو جاوے تو نہ نماز کی صحت میں کچھ فرق آتا ہے نہ ثواب میں کچھ کمی ہوتی ہے۔

شاید آپ نے بھی سنا ہو کہ ایسے بعض حضرات جنہیں علم ہیئت میں معلم حقیقی جلّ مجدہ نے کچھ تھوڑی سی شدہ بدھ دیدی ہے ہندوستان کی عام مساجد کو قبلہ سے منحرف بتاتے ہیں، اور خداوند قدوس کی درگاہ میں سر بسجود ہونے والوں کے قلوب میں شکوک و وسوس پیدا کرتے ہیں سو یہ ان حضرات کے علم نامتمام کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔

ایسے اوہام سے قطع نظر کر لینے کے بعد اگر کتب مذہب کا مطالعہ کیا جاوے تو اس میں تامل کی کوئی وجہ ہی نہ ہو کہ ہر ایک نماز میں خواہ کوئی صورت کیوں نہوا استقبال قبلہ شرط نہیں ہے بلکہ بعض نمازوں میں استقبال قبلہ شرط ہے اور بعض میں نہیں، اور جہاں استقبال قبلہ شرط ہے وہاں بھی یہ ضروری نہیں کہ نمازی پورے طور پر رو بقیلہ ہو بلکہ تھوڑے سے انحراف کے باوجود بھی نماز صحیح اور قابل قبول ہوتی ہے۔ لیکن انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افعال و اعمال، اقوال و اخلاق، ایسا قبلہ ہیں کہ انسان کا فضل یا قول، عادت یا عبادت جس قدر ان کی سیدھ میں ہو گا اسی قدر زیادہ قابل قبول ہو گا اور جس قدر اس سے منحرف ہو گا اسی قدر ثواب کم ہو گا بلکہ بعض صورتوں میں وبال جان اور موجب عذاب ہو گا۔

مسلمان کا ہر عمل موجبِ ثواب ہو سکتا ہے۔ اعمال میں نماز کا درجہ بہت بڑا ہے۔ اس کی تائید سے قرآن اور احادیث کے ذخائر بھرے ہوئے ہیں اَوَّلُ مَا يَحْتَاسِبُ بِهِ الْعَبْدُ اَصْلُوهُ۔ سب سے پہلے قیامت کے دن نمازی کی جانچ ہوگی اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص شرعی اجازت کے بغیر قبلے سے پیٹھ پھیر کر نماز پڑھے تو موجبِ کفر ہے، اسی طرح بہت سے مواقع میں اگر انسان ان قدسی صفات نفوس کے بتائے ہوئے طریقے کے، یا ان کے افعال کے خلاف کرے تو خسارے میں رہتا ہے۔

اور یہ امر صرف عبادات ہی میں نہیں ہے بلکہ ان امور میں بھی ہے جن کو انسان اپنے اور اپنے بدن کی راحت کے لئے کرتا ہے، مثلاً سرمہ لگانا نور بصارت کی افزائش کے لئے ہے، اس سے ان دو آنکھوں کو نفع پہنچتا ہے جن کے بغیر انسان کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص رات کو سرمہ لگاتا ہے، سوتے وقت لگاتا ہے، ہر ہر آنکھ میں تین تین دفعہ لگاتا ہے، اور یہ سب کچھ اس لئے کرتا ہے کہ سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحيات کا حکم ہے خود آپ نے اس پر عمل فرمایا ہے، آپ کی اقتداء نظر ہے از یاد بھرتا اس صورت میں ہاتھ سے کیا ہی نہیں موجبِ حصولِ ثواب بھی ہے، رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

پانی پینا پیاس کی تسکین کا سبب ہے، لیکن اگر پانی اس طرح پیا جاوے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے مثلاً بیٹھ کر پئے، دو یا تین سانس لیکر پئے، اور ہر مرتبہ برتن کو منہ سے جدا کرتا رہے، اور یہ سب اس لئے کرے کہ آپ کے افعال و اقوال کا اتباع کرتا ہے تو یہ پانی پینا بھی ثواب ہے، رہا پیاس کا بجھ جانا تو وہ تو حاصل ہو ہی گیا۔

سونا فطری چیز ہے، نیند نہ آنا مرض ہی نہیں بلکہ ام الامراض ہے، جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے انسان اطباء اور ڈاکٹروں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے اور انکی ناز برداری کرتا ہے، نہ سونے کی وجہ سے انسان نیم مردہ معلوم ہوتا ہے نیند آ جاتی ہے، تو کس قدر راحت ملتی ہے، مگر یہ راحت صرف بدن کی راحت ہوتی ہے، آخرت سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے، لیکن اگر داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر داہنا رخسار رکھ کر، داہنی کروٹ پر اس لئے سوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح استراحت فرمایا کرتے تھے تو فوائد بلا کے علاوہ آخرت کا بدي ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔

قضائے حاجت فطری چیز ہے، اس کے بغیر زندگی دو بھر ہے، انسان تو بجائے خود جانور بھی اس پر مجبور ہیں۔ غذا کے فضلات زائدہ کو جو در حقیقت زہریلے اجزاء ہیں جانور بھی خارج کرتے ہیں اور انسان بھی، دونوں میں فرق نہیں، لیکن اگر قضائے حاجت کرنے والا انسان قضائے حاجت اس طرح کرے کہ نہ قبلے کی جانب منہ ہونہ پیٹھ، استنجا بھی اسی طریقے سے کرے جس طرح صاحب شریعت نے خود کیا اور دوسروں کو تعلیم دی تو یہ بھی ثواب سے خالی نہیں۔

مرد کو عورت کی فطری ضرورت ہے، بہت سے امور میں ایک کا دوسرا محتاج ہے، اور اسی لئے ہر ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور مراعات کرنے پر مجبور ہے، دونوں میں سے ہر ایک کا آرام ہر ایک کی راحت اسی پر موقوف ہے کہ دونوں باہم خوش رہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جس جگہ نکاح رائج نہیں ہے وہاں حرام کاری زیادہ ہے، لیکن اگر نکاح اس لئے ہو کہ۔

مَنْ دَغِبَ عَنْ مُسْتَقِ فَلَيْسَ مِنْهُ۔

یعنی ”جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ میں سے نہیں ہے“ اور

إِنِّي أَبَاهِي بِكُمْ الْأُمَمَ

یعنی ”میں تمہارے ذریعہ دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔“

پیش نظر ہے، زوج کو زوجہ کی، اور زوجہ کو زوج کی پاسداری اس لئے ہے کہ ارشادات نبویہ میں اس کی تاکید موجود ہے تو یہ تمام حظوظ عبادات کی طرح موجب ثواب ہو جاتے ہیں۔

مفاتیح شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قادری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بڑی جدوجہد کے ساتھ اپنے لئے ایک نئے مکان کی تعمیر کی، ہزاروں روپیہ بھی صرف کئے، اور سالہا سال کی عمر برباد کی، جب یہ مکان تعمیر ہو گیا تو اس خوشی میں اپنے شیخ کی دعوت کی، شیخ تشریف لائے، میزبان نے شیخ کو اپنی نشست کے کمرے میں پہنچایا۔ کمرہ عروس نو آراستہ کی طرح حزن تھا، شیخ نے کمرے پر سرسری نظر ڈال کر فرمایا کہ عزیز من! دیوار میں اوپر کی جانب اس قدر بڑا سوراخ کیوں ہے۔ میزبان نے مودبانہ انداز میں عرض کیا کہ حضرت یہ روشندان ہے، اس کے بنانے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ آفتاب کی روشنی اندر آ سکے، اگر یہ نہ ہو تو اس جگہ تاریکی ہوتی، شیخ نے فرمایا کہ خدا کے بندے! تم نے سدا کیا کرایا ہی برباد کر دیا، اگر تم اس کو اس ارادے سے بنواتے کہ

ادھر سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو ہم کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جانے میں آسانی ہوگی تو آفتاب کی روشنی تو ہر صورت آتی، مگر اس ارادے کی وجہ سے مال کا صرف کرنا اپنے عزیز اوقات کو اس میں لگانا یہ سب کچھ موجب اجر ہوتا، اب تو صرف روشنی ہی آیا کرے گی ثواب نہ ملے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ بَعْلٌ حَالٍ عَلٰی خَيْرٍ یعنی ایماندار تو ہر حالت میں اچھا ہی رہتا ہے خواہ جملائے غم ہو، یا آرام و راحت سے بسر کرتا ہو، مصائب اور آلام میں گرفتار ہو کہ انبیاء کی اقتداء میں صبر کرتا ہے اور عیش و راحت میں رہ کر شکر کرتا ہے، ثواب اس میں بھی اور اس میں بھی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات، ان کے صفات، ان کے اعمال، ایسے قبلے ہیں کہ ہر عمل میں اُن کی ضرورت ہے، جو عمل عادت ہو یا عبادت ان کی سیدھ میں نہ ہو گا وہ عبادت کملائے جانے کا مستحق نہ ہو گا۔ اور اس صورت میں اگر ان کو قبلہ عامہ کہا جاوے تو بے جا نہیں ہے، کیونکہ اس قبلے کی ضرورت ہر عمل میں ہے اور خانہ کعبہ قبلہ خاصہ ہے جس کی ضرورت صرف چند اعمال میں ہے، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انسان کے لئے تقرب الی اللہ حاصل کرنے کے ایک نہیں بلکہ دو قبلے ہیں، ایک قبلہ ایسا ہے کہ اس کے استقبال سے بعض عبادتیں عبادت ہو جاتی ہیں اور ایک قبلہ ایسا ہے کہ اس کی سیدھ میں ہونے سے مباحات بھی عبادت ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ كَيْفَ نَشْكُرُكَ وَكَيْفَ لَا نَشْكُرُكَ

ترجمہ:- اے اللہ ہم کیسے آپ کا شکر ادا کریں اور آپ کا شکر کیوں نہ ادا کریں۔ یہیں سے خود تراشیدہ رسوم یا مخترعات اور حسنات مشروعہ کافرق بھی معلوم ہو گیا، اول الذکر قبلہ عامہ سے منحرف ہیں اگرچہ وہ کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں، اور موخر الذکر قبلہ عامہ کی سیدھ میں ہیں اگرچہ ان کے کرنے سے حظوظ نفس کم ہو یا بالکل نہ ہوں۔

سنت اور بدعت کافرق:- فرض کیجئے کہ کسی ایک محلے یا کسی شہر میں دو مسجدیں ہیں، ایک تو اس قدر وسیع ہے کہ بیک وقت اُس میں ہزاروں انسان سہاگتے ہیں پھر اُس کی تعمیر میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ بھی خرچ کیا گیا ہے، سنگ مرمر کافرش اُس میں ہے

ایضاً، احمر، اسود غرض کہ ہر قسم کے پتھروں کی چپے کلریاں اُس میں ہیں، عمدہ دریاں اور قالین اُس میں بچے ہوئے، شمع فانوس سے وہ جگمگاتی ہے، کتبے دیواروں پر آویزاں بھی ہیں اور منقوش بھی، گرم پانی کا ذخیرہ اُس کے لئے موجود ہے، ٹھنڈے پانی کا اُس میں سامان بجلی کی روشنی، اور برقی پچھے۔ غرض یہ کہ کوئی چیز ایسی نہ ہو جو مسجد کی زیبائش کے لئے یا نمازیوں کی سہولت کے لئے ہو سکتی ہو اور اس مسجد میں نہ ہو، زیب و زینت کے اعتبار سے اگر اُس کو فرعون کا قصر کہا جاوے تو بے جا نہیں، لیکن نقصان اس میں صرف یہ ہے کہ وہ قبلہ سے منحرف ہے، نمازی اس میں رو بقبلہ ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، اسی محلے یا شہر میں ایک دوسری مسجد فرض کر لیجئے، جس کی زمین بھی خام، چھت بھی بوسیدہ کہ ہر وقت مٹی جھرتی ہے اور گھانس اور پھوس کی ہے، تیز ہوا چلے تو اندیشہ ہو کہ دیواریں اور چھت زمین پر آجاویں گی تھوڑی سی بارش ہو تو اندرونی و بیرونی دونوں حصوں میں نماز پڑھنی دشوار، موسم سرما و گرمیوں کی تیزی مسجد میں داخلہ سے مانع ہو، وضو کے لئے برتن ہیں مگر مٹی کے اور وہ کثیف اور میلے، کالی ان پر جمی ہوئی، سقائے تو نہیں کہ جس میں پانی بھرا ہوا ہو، ایک کچا کنواں ضرور ہے اس پر بھیگی ہوئی رسی اور ڈول رکھا ہوا ہے ضرورت ہو تو پانی خود بھر لیجئے ان تمام تکلیف دہ امور کے باوجود اس میں ایک اچھی چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ قبلہ سے منحرف نہیں ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی مفروضہ مسجد میں استقبال قبلہ کے بغیر نماز پڑھے تو کتب مذہب میں اس کی تکفیر طے کی، اور اگر اس دوسری مفروضہ مسجد میں نماز پڑھی جاوے تو تمام دشواریوں کے ہوتے ہوئے بھی اس کی نماز بلا کراہت صحیح ہے، اور اگر یہ نماز باجماعت ہے تو حسب تصریح کتب احادیث اُس کو پچیس یا ستائیس نمازوں کا ثواب ملے گا۔

آخر یہ فرق کیوں ہے، پہلی خوش نما مسجد تو لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کے صرف سے تعمیر کی گئی ہے اور بقول بعض ایسی بے نظیر مسجد سے اسلام کی شوکت اور اہل اسلام کا رعب غیر مسلموں پر پڑتا ہے دوسری خام مسجد تو مسلمانوں کی فلاح، شکستہ حالی، بے توجہی کی آئینہ اور شہد عدل ہے پھر ایک مسجد میں تو نماز کا ادا کرنا ہی کفر، اور دوسری حقیر مسجد میں نماز مقبول اور موجب ازاد ثواب۔

اس کا جواب ایک اور صرف ایک ہے کہ یہ عظیم فرق اس لئے ہے کہ ایک مسجد رو بقبلہ ہے

اور دوسری منحرف عن القبلة، اس سے ظاہر ہو گیا کہ مسجد کا شاندار ہونا یا نہ ہونا نماز کی صحت، رضائے خداوندی، تقرب الی اللہ میں موثر نہیں ہے نہ قابل التفات ہے اگر مؤثر اور واجب الاتفات ہے تو استقبالِ قبلہ، یہ ہے تو عبادت عبادت ہے ورنہ گناہ ہے اور بڑا گناہ ہے۔

یہی فرق ہے بدعات میں اور امور مسنونہ میں، بدعات قبلہ اعمال سے منحرف ہوتی ہیں اور امور مسنونہ اس کی سمت میں ہوتے ہیں، اسی لئے یہ صحیح ہے کہ اگر بڑی سے بڑی بدعت بھی کی جاوے تو موجب ثواب تو یقیناً نہ ہوگی، ہاں اگر زیادہ انحراف ہے تو گناہ بھی ضروری ہے، اور امور مسنونہ اگرچہ چھوٹے چھوٹے اور (نعوذ باللہ) زیادہ وقیع معلوم نہ ہوتے ہوں صرف موجب ثواب ہی نہ ہوں گے بلکہ ایک درجہ اور بھی جس کو واللہ یضاعف لہن یشاء یعنی اور اللہ جس کے لئے چاہے بڑھاتا ہے۔ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

دفن میت کے بعد سیکنڈوں من غلہ تقسیم کرنا، قبر پر اذان دینا تعزیرہ بنانا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ (سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مہلک نام پر پانی کی مشکیں بھانا، صلوٰۃ رعب، وغیرہ وغیرہ میں ہمارے متخیلہ دلائل و خطرات کتنا ہی حسن ثبوت کریں، لیکن جب ان میں قبلہ اعمال ہی سے انحراف ہے تو جیہ ہے کہ ان کے محاسن محاسن نہیں بلکہ قبلہ ہیں، اور اگر بعد از دفن، قبر میں۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ ثَوْرَةً اٰخِرٰی

ترجمہ:- (یعنی اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر لوٹا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار۔ ط: ۵۵)

پڑھ کر تھوڑی تھوڑی مٹی تین مرتبہ ڈال دیں تو موجب اجر ہے۔

اس ساری گزارش کی تخصیص یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت اس لئے ہوتی ہے کہ ان کو دیکھ کر، ان کے اعمال و اقوال بلکہ حرکات و سکنات کی بھی اقتدا کی جاوے، جس طرح ان کے فرمان قابل عمل ہوتے ہیں اسی طرح ان کی ہر حرکت و سکون لائق تقلید ہے، قادر مطلق نے انسان کو راہ راست پر رکھنے یا گم گشتوں کو صحیح راستے پر پہنچانے کے لئے مابین السماء والارض کو دلائل توحید اور قدرت مطلقہ کے براہین سے بھر کر دینی الارض آیات للذوقین و فی انفسکم (ترجمہ:-) یعنی اور زمین

میں یقین لانے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر۔ الذاریت: ۲۰، ۲۱) فرمادیا ہے تو انبیاء کی ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد کے اعمال و افعال کو مرضیات الہیہ اور عبادات مرضیہ کے لئے نمونہ بنادیا ہے۔

فرض کیجئے کہ ایک بادشاہ کسی کو ایک تعمیر کا مسئلہ اور مجوزہ نقشہ دے کر اس کے موافق مکان کی تعمیر کا حکم دیتا ہے، کارکنان تعمیر اس مجوزہ نقشہ میں اپنی رائے سے ترمیم کرتے ہیں، یا اس نقشے کو بالکل ترک کر کے کسی دوسرے طرز کی عمارت بنا دیتے ہیں، اور اپنی اس ترمیم یا تبدیل کے استحسان کے لئے قوی سے قوی دلائل بھی رکھتے ہیں، تب بھی ان تمام دلائل و براہین کا ذخیرہ یہ کہہ کر رد کیا جاسکتا ہے کہ تعمیر مذکورہ شامی نقشہ کے خلاف ہے، اور اس کے انہدام کا حکم دینے کے لئے یہی ایک نقصان کافی ہے۔

ٹھیک اسی طرح سے بندگان خداوندی کی عبادتیں اگر اسی نقشے کے مطابق ہیں جو انبیاء کی صورت میں احکم الحاکمین نے ان کو دیا ہے تو وہ اپنے اپنے درجہ پر قائل قبول اور موجب ثواب ہیں، لیکن ان میں ترمیم، تغیر یا تبدیل کی گئی تو فرق مراتب کے ساتھ ثواب کی کمی، یا نیکی بر باد گناہ کا لڑم بھی صحیح ہے، اور یہ کماحقہ نہیں ہے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے یا یہ کہ اس میں محاسن زیادہ ہیں، اسلام کی شان و شوکت زیادہ معلوم ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ کیونکہ اس میں سب سے بڑا نقصان یہی ہے کہ مالک الملک، احکم الحاکمین جلّ مجدہ کے دربار سے اعمالِ صالحہ کا جو نمونہ دیا گیا ہے اس کے مطابق نہیں۔

بدعت باعثِ اجر نہیں:۔ ابن امیر حاج اپنے زمانہ کے کبار علماء میں سے ہیں، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، بہت سے علماء ان کے حلقہ تلمذ میں داخل ہیں، اپنی کتاب مدخل میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اکابر علماء نے حدیث میں دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ سے فرمایا کہ تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ اللہ اکبر اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور اس سب کے بعد ایک دفعہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْفَرْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہہ لیا کرو (سنن ابی داؤد ص ۲۱۸ ج ۱) اس حدیث کو دیکھ کر انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ مقدار کم ہے، اس لئے ان کلمات میں سے ہر ایک کو فرض نماز کے بعد تینتیس دفعہ

پڑھنا شروع کر دیا، اور بہت دنوں تک اس پر عامل رہے۔

ایک روز بعد نماز عشاء سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ایک وسیع میدان میں دنیا کے چھوٹے بڑے سب جمع ہیں، یکایک آواز آئی کہ فرائض کے بعد تسبیح و تحمید و تکبیر کرنے والے کہاں ہیں؟ ادھر آئیں، اور اپنا اپنا ثواب حاصل کریں، یہ سن کر بہت سے لوگ اس طرف دوڑے، انہیں کے ساتھ یہ بھی پہنچے، غالباً یہ خیال ہو گا کہ ان لوگوں میں پہلا درجہ میرا ہی ہو گا، کیونکہ میں نے بہت زیادہ مقدار شروع کر دی تھی۔ مگر وہاں جا کر دیکھا تو کس

نئی پڑھ

نہ کوئی پوچھتا ہے اور نہ نام اس کا ہے دفتر میں بڑا دیوانہ ہے محسن کہاں آیا ہے محشر میں تعجب ہوا، اور چونکہ اپنے عمل کی زیادتی کی وجہ سے مقبولیت کا یقین تھا، خیال ہوا کہ چونکہ مجھ کو ان سب سے زیادہ انعام ملنے والا ہے، اس لئے آخر میں دیا جاوے گا تاکہ سب دیکھیں، تمام حاضرین کو انعام ان کی موجودگی میں تقسیم کیا گیا، مگر ان کا نام بھی نہ آتا تھا، نہ آیا، بالآخر یہ از خود تقسیم کنندہ انعام کے پاس پہنچے، اور اس سے شکایت کی کہ بہت زیادہ عبادت کے باوجود مجھ کو محروم کر دیا گیا، اس نے کہا کہ تمہاری شکایت بے جا ہے، اس انعام کے حاصل کرنے والوں کی فہرست میں تمہارا نام نہیں ہے انہوں نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا غور کرتے رہے کہ خداوندی علم، نسیان، ذہول، خطا سے قطعاً منزہ ہے ان عیوب کا علم خداوندی سے کوئی تعلق ہی نہیں پھر آخر میں کیوں محروم کر دیا گیا۔

سوچنے کے بعد معلوم ہوا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نہ تھا بلکہ اس میں زیادتی کر دی گئی تھی، اسی لئے اس عبادت کا مخصوص ثواب نہ مل سکا۔

ابن امیر حاج کے اس بیان کئے ہوئے واقعے کو دیدہٴ عبرت سے دیکھو اور گوش حق نبیوش سے سنو، اور اپنے لئے اس کو دستور العمل بناؤ۔

وہی تکبیریں تھیں، اور وہی تحمید اور تسبیحیں جو فجر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی تھیں، مگر روئے صادقہ کے ذریعے سے تنبیہ کر دی گئی کہ چونکہ ارشاد نبوی کے خلاف ہے لہذا قابل تحسین نہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ بند گان خدا اپنے اپنے اعمال و اقوال میں جس قدر منہاج نبوت سے قریب رہیں گے اسی قدر رحمت الہیہ کے مورد اور تقربات خداوندی کے مہبط

ہوں گے، اور جس قدر اس سے بُعد ہوتا جاوے گا اسی قدر خُسران اور جرمان سے قُرب ہوتا جاوے گا۔

مختصر یہ ہے کہ انبیاء اور رسل کی بعثت میں یہ مصلحت تھی کہ جس طرح کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ قادرِ مطلق کے وجود اور اس کی صفات کو علمائے تائید اور ثابت کرتا ہے اسی طرح انبیاء اور رسل کی تشریف آوری، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق کی عملی تعلیم کرتی ہے اور اسی وجہ سے ضروری ہے کہ رسول انسان ہی ہو تاکہ نوع انسان کو باہمی ارتباط اور میل جول سے مدارجِ علیہ اور عملیہ تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

رسول کا انسان ہونا ضروری ہے۔۔۔ فرض کرو کہ رسول انسان نہ ہوتا بلکہ جنس ملائکہ میں سے ہوتا اور جس طرح لیلۃ الاسراء میں پچاس نمازیں فرض ہو کر فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار گزارش پر پانچ کر دی گئی تھیں اسی طرح اس رسول سے یہ پچاس نمازوں کی فرضیت کو فرمایا جاتا تو چونکہ یہ فرشتہ نہ انسان کے صنف سے واقف ہوتا نہ اس کی ضروریات و حوائج سے اس لئے تخفیف کی دعا تو ہر گز ہر گز نہ کرتا، اور اگر نظر کو ذرا وسعت دو تو شاید یہ خیال بھی غلط نہ ہو کہ یہ فرشتہ یوں کہتا کہ

بارالہا! پچاس نمازیں تو چند گھنٹوں میں ختم ہو جاویں گی یہ لوگ لیل و نهار کے بقیہ اوقات میں کیا کریں گے، تفصیع اوقات سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے زیادہ ان پر نمازیں فرض کی جاویں۔ اور فرشتے کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ بے جا بھی نہ ہوتے، کیونکہ اس کو کیا خبر کہ انسان کن کن حاجات میں گرفتار ہے اور کن کن مواقع اور عوائق کا شکار ہے اسی طرح فرض کرو کہ رسول از نوع جن ہوتا اور حکم ہوتا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر لیا جاوے تو وہ یہی کہتا کہ الہی! یہ کیونکر ممکن ہے کہ پانی نہ ملے، مشرق، مغرب میں کہیں نہ کہیں تو پانی ملے گا، اور اگر انہار و بحار سبھی خشک ہو گئے ہوں اور زمین کے اوپر پانی کا ایک قطرہ نہ ہو تو زمین کے اندر سے نکال لینے میں کیا دشواری ہے۔

نمونے کی ان صورتوں سے ظاہر ہو گیا کہ انسان کے لئے رسول بھی انسان ہی ہونا ضروری تھا،

اگر انسان کے لئے انسان رسول نہ ہوتا تو چونکہ یہ رسول حوائج بشریہ، ضروریات انسانیہ سے ناواقف ہوتا تو انسان کی جان ضیق میں آ جاتی۔

پس حکیم علی الاطلاق غرض شائد نے نبوت و رسالت کا مرتبہ بھی انسان ہی کو دیا، یہ ایسے قدسی صفات نفوس ہوتے تھے کہ روحانیت میں ان کا قدم ملا نہ کہ سے بھی ہزار درجہ آگے ہوتا تھا اور اسی وجہ سے بذریعہ وحی احکام ربانی سے ان کو مطلع کیا جاسکتا تھا، اور دوسری جانب میں چونکہ صفات بشریہ سے موصوف ہوتے تھے اس لئے ان احکام نازلہ کی تعلیم ذرائع مختلفہ سے انسان کو کر سکتے تھے۔

انسان کو جانوروں کی طرح آزاد نہیں رکھا گیا۔ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنت الخلد سے زمین پر بھیج کر ان سے ان کی اولاد سے خالق عالم نے اپنا سایہ رحمت نہیں اٹھالیا، رضائے خداوندی اور اطاعت الہی کے وادی ناپید اکندہ میں ٹھوکریں کھانے کے لئے نہیں چھوڑ دیا، بلکہ معاملہ اس طرح رکھا کہ مخلوقات کا بہت سا حصہ حتیٰ کہ شمس و قمر بھی انسان کے لئے مگر انسان صرف اپنے پیدا کرنے والے کے لئے۔

اسی لئے اس کو عقل سلیم عطا فرمائی، ذرہ ذرہ اور تھکے تھکے کو قدرت کاملہ، وحدت مطلقہ کا شہد اور مظہر بنایا، اور اسی پر بس نہ کی بلکہ انبیاء اور رسل کو متوالیاً محتاجاً بمعجزات و معینات عطا فرما کر بھٹکے ہوؤں کی ہدایت کا سامان مہیا کیا، کتابیں نازل کیں، جن میں ارضی انفسی، آفاقی تا قاضی رد دلائل بیان کئے۔

غرض یہ کہ عباد اللہ کے لئے کوئی عذر باقی نہ رکھا، اور اگر اب بھی انسان اپنی دیکھنے والی چمکتی ہوئی آنکھوں کو ان کی جانب سے اندھا بنا لے، سننے والے کانوں کو بہرہ، اور دنیا کے ہر نفع و نقصان کو سمجھ لینے والی عقلوں کو دنیا سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دے تو خدا را بتاؤ کہ ایسے لوگ اگر انسان نما بہائم نہیں تو آخر ہیں کیا؟

أَبْنَىٰ إِنَّ مِنَ الرِّجَالِ بَهِيمَةً فِي صُورَةِ الرَّجُلِ السَّمِيعِ الْبَصِيرِ فَطَنَ بِكُلِّ رِزْيَةٍ فِي مَالِهِ وَإِذَا أَصِيبَ بِدِينِهِ لَمْ يَشْعُرْ

ترجمہ:- برخوردار من! بعض انسان دیدہ بینا اور گوش شنوار کھنے کے باوجود جانور ہیں وہ ہر اس

نقصان کو معلوم کر لیتے ہیں جو ان کے مال میں ہو خواہ تھوڑا ہو یا بہت. نقصان قریب کے مال میں ہو یا دور کے مال میں لیکن اگر اس کا دین (سارے کا سارا) لوٹ لیا گیا ہو تو اس کے کان پر جوں بھی نہ چلے۔

ار سالِ رُسل کی حکمت قرآن سے :- ار سال انبیاء و رسل کی حکمت کو کلامِ ربّی نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے کہ:

رُسُلًا مَّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

جس کی تفسیر بیان القرآن سورہ نساء کے الفاظ میں یوں ہے۔

یعنی ان سب کو (ایمان پر) خوشخبری (نجات کی) دینے والے اور (کفر پر عذاب کا) خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں (کے آنے کے) بعد کوئی عذر (ظاہراً بھی) باقی نہ رہے (ورنہ قیامت میں یوں کہتے کہ بہت سی اشیاء کا حسن و جہ عقل سے معلوم نہ ہو سکتا تھا پھر ہماری کیا خطا) اور (یوں) اللہ تعالیٰ پورے زور دار (اور اختیار) والے ہیں (کہ بلا ار سالِ رسل بھی سزا دیتے تو بوجہ اس کے کہ مالکِ حقیقی ہونے میں متفرد ہیں ظلم نہ ہوتا اور حقیقتِ عذر کا حق کسی کو نہ ہوتا لیکن چونکہ) بڑے حکمت والے بھی ہیں (اس لئے حکمت اسی ار سالِ رسل کو مقتضی ہوئی تاکہ ظاہری عذر بھی نہ رہے۔)

(النساء: ۱۶۵)

انسان کی ابتداء :- حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جنت الخلد میں رکھے گئے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ بزمانہ قیام جنت ان کی اولاد ہوئی تھی، یا نہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ولادت کا سلسلہ زمین پر آجانے کے بعد ہی شروع ہوا تھا اور بعض کی رائے ہے کہ کچھ اولاد کا سلسلہ جنت ہی سے شروع ہو گیا تھا، قاتل اور اس کی بہن جنت ہی میں پیدا شدہ ہیں۔

حضرت آدم کی وفات سے قبل ان کی بالواسطہ اور بلاواسطہ اولاد چار لاکھ نفوس تک پہنچ چکی تھی۔
(البدایہ والنہایہ ص ۱۷۹ ج ۱)

حضرت آدم کی اصل:-

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قُبْضَةٍ قَبْضُهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَنْدَرِ الْأَرْضِ، فَجَاءَ مِنْهُمْ الْأَبْيَضُ وَالْأَحْمَرُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ، وَالْحَبِيبُ وَالطَّيِّبُ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَبَيْنَ ذَلِكَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ایک مٹھی خاک سے پیدا کیا جسے زمین کے تمام طبقوں سے حاصل کیا۔ اس لئے آدم کے بیٹے بھی زمین کے مزاج و خاصیت کے مطابق ہوئے۔ رنگ کے اعتبار سے کوئی ان میں سفید، کوئی لال، کوئی کالا اور کوئی ان رنگوں کے درمیانی رنگ کا ہوا۔ اور کوئی بری خصلت والا کوئی اچھی خصلت والا، کوئی نرم کوئی سخت مزاج اور کوئی ان مزاجوں کے درمیانی مزاج والا ہوا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۸۵ ج ۱)

اس حدیث کے موافق انسان کی خلقت مختلف الطبع والألوان زمین کے اجزاء سے ہوئی تھی اس لئے جس طرح ان کی صورتیں مختلف الألوان والاجسام والاشکال تھیں اسی طرح ان کی سیرتوں میں کثیر اختلاف تھا۔ بعض حسن صورت، اور حسن سیرت دونوں سے متصف تھے۔ بعض قبیح صورت اور قبیح سیرت سے مربوط تھے۔ بعض حسن صورت تھے مگر قبیح السیرۃ بعض قبیح صورت تھے مگر حسن السیرۃ۔ یہی اختلاف اطاعت خداوندی واسترغائے مولیٰ میں ظاہر ہوا۔ کہ اگر ایک جماعت نے اطاعت خداوندی میں سرگرمی کا اظہار کیا تو دوسری جماعت تہود اور انحراف میں حد سے متجاوز ہونے لگی حتیٰ کہ ربوبیت کا دعویٰ بھی کیا گیا۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ:-

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَىٰ كُلًّا جَاءَ أُمَّةً رُّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ (المؤمنون: ۴۴)

ترجمہ:- پھر (ان کے پاس) ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے (ہدایت کے لئے) بھیجا (جس طرح وہ امتیں پیدا ہوا کیں۔ مگر ان کی حالت یہ ہوئی کہ) جب کبھی کسی امت کے پاس

اس امت کا (خاص) رسول (خدا کے احکام لیکر) آیا انہوں نے اس کو جھٹلایا، سو ہم نے (بھی ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا، اور ہم نے ان کی کمائیاں بنادیں، (یعنی وہ ایسے نیست و نابود ہوئے کہ بجز کمائیوں کے ان کا کچھ نام و نشان نہ رہا) (بیان القرآن، سورہ مومنون)

انسان کا پہلا جرم: قاتیل کا پہلا قدم مالک الملک کی معصیت میں اٹھا، اور ذرا سی بات پر اپنے بھائی ہاتیل کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے۔

اور اولاد کی کثرت کے ساتھ ساتھ معصیت کی کثرت بھی ہوتی گئی، ہزاروں برس تک یہی سلسلہ جاری رہا، ایک جانب ارحم الراحمین کی رحمت گم گشتگان وادی ضلالت کو ہاتھ پکڑ کر نار جنم میں گرنے سے روکتی تھی، تو دوسری جانب طاغوتی قوتیں اپنے تمام شیاطین اور تمام قوتوں کے ساتھ عتاب خداوندی کے ابدی عذاب میں مبتلا کرنے کی سعی کرتی تھیں۔

انبیاء علیہم السلام کی مخالفت:۔ اسی کشمکش کے ساتھ وہ وقت بھی آ گیا تھا کہ حضرت ابن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور یہود کی ناقابل برداشت اذیتیں برداشت کرنے کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے، اور حواریین نے کچھ دنوں تک تو حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہنے کی سعی کی، مگر زمانہ کے امتداد، مخالف قوتوں کے نزاع میں ان کو صراط مستقیم پر نہ رہنے دیا، احکام خداوندی میں تحریف کی عادت ہو ہی گئی تھی، حتیٰ کہ آسمانی کتاب (انجیل) بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکی۔

اگر تھوڑی سی تحریف ہوتی تب بھی انجیل ناقابل عمل ہو جاتی، کیونکہ دستاویز کا ایک لفظ بھی مشکوک ہو تو وہ ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے، چہ جائیکہ اس میں تھوڑے سے تغیر و تبدل کا یقین ہو لیکن یہاں تو تغیر و تبدل اس نوبت پر پہنچ چکا تھا کہ اصول شریعت (توحید وغیرہ) جس پر تمام انبیاء کا اتفاق تھا وہ بھی باقی نہ تھا، کیونکہ باپ، بیٹا، روح القدس، اسی میں موجود ہو گئے تھے ایک میں تین اور تین میں ایک، یا قائم ثلاثہ کا عقیدہ بھی اسی کتاب میں بتایا جانے لگا تھا پھر جزئیات اور فردی مسائل کی نسبت تو اعتماد ہی غلط ہے۔

غرض یہ کہ انجیل کی یہ تحریف اپنی کثرت کے ساتھ معنوی بھی تھی اور لفظی بھی نوبت باین جا رسید کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ایک جماعت کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ابن مریم خود ہی خدا تھے جو فلاں فلاں مصالح ووائج کی بنا پر انسانی جسم کا چولا پہن کر دنیا میں آگیا تھا، اسی لئے قرآن نے بھی ایک ایک عقیدے کو رد کیا، فرمایا:-

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا، لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَعْطُرُونَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا

اور (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد (بھی) اختیار کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے (جو) یہ (بات کہی تو) ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ وہ لوگ خدا کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد

اختیار کرے۔ (مریم: ۸۸ تا ۹۲)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ (المائدة: ۷۲)

ترجمہ:- بے شک وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے خود فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ بے شک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ (المائدة: ۷۲)

نیز فرمایا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَكُنَّا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(بالشبهہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں۔ اور اگر یہ لوگ اپنے ان اقوال سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر دردناک عذاب واقع ہو گا۔) (المائدة: ۷۳)

گمراہی :- یہ غلط ملطاً . تغیر تبدل حد سے اس قدر متجاوز ہوا کہ اس دین عیسوی پر جس کو منزل من اللہ کہا جاسکے قائم رہنے والے معدودے چند رہ گئے . اور وہ بھی اس طرح کہ کوئی ملک کے اس گوشے میں اور کوئی شخص زمین کے کسی حصے میں . پھر ان کی شرت بھی نہ تھی کہ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا اگر کسی کو دو چار آدمیوں نے جان لیا تو جان لیا . مان لیا تو مان لیا . ورنہ بعض بالکل ہی گمنامی کی حالت میں دنیا سے کوچ کرتے اور ”قُلْ تَرَأَوْهُ وَقُلْتُ بُوَاكِبِرَ“ جس کی میراث کم ہو اور جس پر رونے والیاں کم ہوں) کا سچا مجسمہ ہوتے تھے اس حالت پر صدیاں گزر گئیں . شرک و کفر . طغیان کی کالی کالی گھٹائیں آفاق عالم پر محیط ہو گئیں . ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا کے بندوں کو اب خدا کی حاجت ہی نہیں ہے . مگر فطرت الہیہ کی قوت . وجود باری کی عظمت عقول سلیمہ کو مجبور کر رہی تھی کہ خلاق عالم کے وجود کو تسلیم کرے . آج بھی وہ لوگ جو قادر مطلق کے منکر ہیں مگر عالم کے منظم نظام کو دیکھ کر کسی قوت کے ماننے پر مجبور ہو کر کہتے ہیں کہ قدرت نے فلاں کام کیا . قدرت کا فلاں نظام ہے . جس کا مبنی اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ قادر کا انکار اور قدرت کا اقرار ہے . اور عقل تو بجائے خود سمجھ دار بچے بھی جانتے ہوں گے کہ اوصاف بغیر موصوفات کے موجود ہو ہی نہیں سکتے ہیں ۔

عمر بن عبدسہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :

رَغِبْتُ عَنْ اَهْلِ قَوْمِي فِي الْجَاهِلِيَةِ (اَيْ تَوَكَّتْ عِبَادَتَهَا) قَالَ فَلَقِيْتُ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ اَهْلِ نَبَا وَهِيَ قَرْيَةٌ بَيْنَ الْمَدِينَةِ وَالشَّامِ فَقُلْتُ اِنِّي اَمْرٌ مِّنْ بَعْدِ الْحِجَارَةِ فَتَرَى الرَّجُلَ مِنْهُمْ لَيْسَ مَعَهُ اِلَّا فَيَخْرُجُ لِيَاْنِي بِارْبَعَةِ اَحْجَارٍ فَيُعِينُ ثَلَاثَةً لِّقَدْرِهِ اَيْ يَسْتَنْجِي بِهَا وَ يَجْعَلُ اَحْسَنَهَا اِلَهَا يَعْبُدُهُ ثُمَّ لَعَلَّهُ يَجِدُ مَا هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ شَكْلًا قَبْلَ اَنْ يَرْتَعِلَ قَبْرَكَ وَيَاْخُذَ غَيْرَهُ وَاِذَا اَنْزَلَ مِنْزِلًا سِوَاهُ وَرَأَى مَا هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ تَوَكَّاهُ وَآخُذَ ذَلِكَ الْاَحْسَنَ قَرَأْتُ اَنَّهُ اِلَهٌ بَاطِلٌ لَا يَصُرُّوْا يَنْفَعُ فَلَئِنْ عَلِيَ خَيْرٌ مِنْ هَذَا

(السيرة النبوية لا حمد زيني دحلان بر حاشيه سيرة حلبه ص ۱۰۹)

یعنی عمر بن عبدسہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں مجھ کو اپنی قوم کی بت پرستی سے نفرت پیدا ہوئی ۔ اسی زمانہ میں میں تماء کے رہنے والے ایک پادری سے ملا . اور اس سے کہا کہ میں اس

مرادیں مانگتے تھے

جو خود محتاج ہووے دوسرے کا بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ چلتے پھرتے آتے جاتے کسی ایک پتھر کو خوبصورت دیکھ کر اٹھالیا۔ پرستش شروع کر دی اُس سے دل سیر ہو گیا یا اُس سے زیادہ خوبصورت کوئی دوسرا پتھر مل گیا تو اُس کو پھینک کر دوسرے کو تخت خداوندی پر متمکن کر دیا۔ گویا خداوندی تخت بندوں کے ہاتھ میں آگیا۔ جس کو جب تک چاہا خداوندی تخت پر بیٹھنے دیا اور جب چاہا معزول کر دیا۔

نئی قسم کی بت پرستی :- اہل رجا عطار دی فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بحالت سفر جب ہم کو کسی جگہ عبادت کے لئے پتھر میسر نہ آتا تھا تو ہم تھوڑی بہت مٹی کا ڈھیر لگا لیتے تھے اور بکری کا دودھ اُس پر دوھتے تھے۔ اس کے بعد مٹی کے اُس ڈھیر کا طواف شروع کر دیتے تھے۔ دین حنیف جس کی عظمت کو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ سے شروع کیا تھا اس زمانہ میں ایسا وارث ہو گیا تھا کہ سب سے زیادہ شرک اسی خانہ معبود میں ہوتا تھا اور بت پرستی کا مرکز تھا۔ پتھر کے خدا اس میں برا جمان تھے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۸۸ ج ۲) ان کثیر التعداد خداؤں پر بس نہ تھی بلکہ بقول صاحب مغازی ابن اخیق کے ہر گھر میں ایک ایک بت تھا۔ جس کی عبادت ہوتی۔ اگر صاحب خانہ سفر کے لئے جاتا تھا تو گھر سے نکلتے وقت اس کی ڈنڈوت کرتا تھا اور واپس ہوتا تھا تو سب سے پہلے اسی بت کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی (البدایہ ص ۱۹۱ ج ۲) تعدد آلہ کا عقیدہ قلب میں اس طرح جا گزیں ہو گیا تھا کہ اس کو شمس فی نصف النہار سے بھی زیادہ اقویٰ اور اجلیٰ سمجھ بیٹھے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا اعلان فرمایا متعجب ہو کر کہتے تھے۔

اجْعَلْ الْاِلٰهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجَبٌ

ترجمہ :- کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ بت

(ص: ۵)

عجیب بات ہے۔

فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک مرتبہ زمانہ جاہلیت کی عقل سے گئی گزری ہوئی باتوں اور

جماعت کا ایک فرد ہوں جو بت پرستی کیا کرتے ہیں، اگر ان میں سے اتفاق سے کوئی ایسا شخص سفر کو نکل کھڑا ہوا جس کے ساتھ اسکا معبود نہیں ہے تو وہ منزل پر پہنچ کر استیجا کے لئے پتھر کے چار ٹکڑے لاتا تھا، ان میں سے جو خوبصورت ہوتا تھا اس کو خدا فرض کر کے عبادت شروع کر دیتا اور پوری عظمت کے ساتھ رکھتا تھا، اور اگر اسی سفر میں اس کو چلتے پھرتے اور پتھر اس سے بھی اچھا گرا پڑا مل گیا تو اس پہلے کو پھینک کر اس دوسرے کو معبود بنا کر پرستش کرنے لگتا تھا، تمام سفر میں یہی طریقہ رہتا تھا، اس سے میں نے تو یہی سمجھا کہ نہ یہ معبود برحق ہے نہ اس کی عبادت، عبادت صحیحہ اھ

اور چونکہ وجود باری کا انکار آفتاب نصف النہار کا انکار تھا، عقل اس کا انکار نہ کر سکتی تھی، مگر صحیح راستے پر لے چلنے والا کوئی نہ تھا اس لئے ہر شخص آزادی کے ساتھ جس کو چاہتا تھا اپنا معبود بنا لیتا تھا اور اس کے سامنے سر جھکا تھا۔

حتیٰ کہ رعایا بادشاہوں کو اپنا رزاق، مالک، معبود سمجھتی تھی اور ان کے خود مختارانہ احکام کو قادر مطلق کے فرامین سمجھتی تھی، یہ پرستش بھی گمراہی اور حماقت میں کچھ کم نہ تھی مگر سلاطین کے یہ پرستار فی الجملہ معذور بھی تھے کیونکہ یہ تو دیکھتے تھے کہ یہ خود مختار حکمران جو کچھ چاہتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے، جو حکم دیتے ہیں اس سے سرتابی کا امکان نہیں، بت سے بت قصور نظری وجہ تیر کو کمان سے نکلتا ہوا دیکھ کر سمجھتے تھے کہ تیر کو کمان پھینک رہی ہے، حالانکہ تیر کا چلانے والا کمان دار تھا۔

گرچہ تیر از کمان ہی گزرد از کماں دار بند اہل خرد

یہ نہ سمجھتے تھے کہ اس برائے نام خود مختاری کے باوجود ان گنت امور میں یہ سلاطین ہماری طرح محتاج ہیں، اور احتیاج و خدائیت دو متضاد وصف ہیں، اگر آب و آتش کا کجائی اجتماع ناممکن ہے تو خدائیت و احتیاج کا اجتماع ایک ذات میں اس سے زیادہ مستبعد ہے۔

تاہم یہ لوگ اُن سے کم درجہ میں تھے جو اینٹوں، پتھروں بلکہ درختوں اور جانوروں کے ساتھ وہ معاملہ کرتے تھے جو ایک عابد، معبود کے ساتھ کرتا ہے۔

کیا یہ عقل کی وارفتگی نہیں ہے کہ جس پتھر کی اپنی آنکھوں سے سینکڑوں دفعہ پامالی دیکھ چکے تھے انہیں کو اونچی جگہ پر رکھ کر سجدے کرتے تھے، قاضی حاجات، دافع بلیات سمجھتے تھے،

رسوں کا ذکر تھا، اور قریب قریب سب ہی ایک زبان تھے کہ عجب قسم کی حماقت رائج تھی کہ ایسی چیزوں کو معبود بنالیا جاتا تھا جن سے نہ نفع ہو نہ ضرر، اسی اثناء میں ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت صحابی نے کہا کہ آپ لوگوں کو ان خود تراشیدہ اور ہاتھوں کے بنائے معبودوں نے نفع نہ دیا ہو تو نہ دیا ہو، مگر مجھ کو تو نفع اس سے پہنچا ہے فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اس جرأت اور صاف گوئی کا اثر نہ ہوا، وہ ذات ایک کوہ وقار تھی معمولی تحریک سے کب متحرک ہو سکتی تھی، آپ عظیم الشان سمندر تھے کہ اُس میں ہاتھوں کی حرکت سے طغیانی نہ ہو سکتی تھی، جس طرح اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی باتیں سن رہے تھے اُن کی بھی سن لی، مگر مجلس میں سنا سنا چھا گیا حضور کی مجلس میں کہ جس کو۔

مَجْلِسِ عِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَصَبْرٍ وَآمَانَةٍ لَا تَرَفُّعُ فِيهِ الْأَصْوَاتُ وَلَا تُدْبِنُ فِيهِ الْحُورُ

ترجمہ:- آپ کی مجلس میں علوم کا تذکرہ ہوتا تھا، اہل مجلس حیا اور صبر کے ساتھ رہتے تھے، اس میں امانت داری کا پاس کیا جاتا تھا، اہل مجلس بلند آواز سے نہ بولتے تھے، نہ اس میں آبروریزی کی جاتی تھی۔

کا مصداق بتایا گیا ہے غلط اور بظاہر۔

اَتَتَّبِعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ (الانبیاء: ۶۶)

ترجمہ:- خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرنے لگے ہو جو قطعاً نفع نہ دیں نہ نقصان پہنچاویں۔

کے خلاف بات، اور وہ بھی جنوں کی تعریف، بعض حضرات نے خوف سے سر جھکا لیا کہ مبادا ان کی مذمت آسمان سے نازل ہو، بعض نے ان کے چہرے کو حیرت کے ساتھ مکنا شروع کر دیا، بعض کی نظریں پٹائی تھیں کہ اُن کو ان کے اسلام ہی میں شک ہو گیا ہے، بعض ایسے بھی تھے کہ نہ تو ان کو ان کے اسلام میں شک تھا، اور نہ ان کے قول کو صادق سمجھتے تھے، انہوں نے مجلس کی مہر سکوت کو توڑا اور دریافت کیا کہ بت نے نفع پہنچایا؟ یہ کیونکر، انہوں نے پوری متانت کے ساتھ جواب دیا کہ میں نے یہ معبود اپنے ہاتھ سے بنایا اور گڑ سے بنایا تھا، وہ از سر تا پا گڑ تھا، اور میں مدتوں سے اُس کی عبادت کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ حسب عادت قافلے کے ساتھ سفر میں گیا،

قافلہ ایک لق ووق میدان میں فروکش ہوا، اتفاق سے وہاں کسی کو کچھ بھی کھانے کے لئے نہ ملا۔ رفتائے سفر حیران تھے کہ کیاں کریں، میں نے بھی جستجو کی، اور جب یقین ہو گیا کہ یہاں کچھ نہ ملے گا، اور حدِ اضطراب تک پہنچ جانے والی بھوک کے ساتھ یہاں سے سفر کرنا ہوا تو میں نے اُس کو باطمینان تام کھالیا، اور اس قدر کھایا کہ میرا پیٹ بھر گیا، تم ہی بتاؤ کہ اگر میں اُس بت کو بغرض عبادت سفر میں ساتھ نہ رکھتا تو فاقہ کرنا پڑتا یا نہیں؟

حضور کی مجلس متانت و وقار کی مجلس ہوتی تھی، وہاں قمتوں کی آواز ”چیل کے گھونسلے میں ماس“ سے کم نہ تھی، خود حضور نے بھی عمر بھر قمتہ نہیں کیا، عموماً تبسم فرمایا کرتے تھے، چند ہی مواقع ایسے ہیں کہ ان میں اس قدر ہنسی آئی کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے، ایسی مجلس میں ناممکن تھا کہ قمتے لگائے جاتے، مگر یہ سن کر سب کو بے ساختہ ہنسی آگئی، اور خود حضور نے بھی تبسم فرمایا۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عقل کی بے بسی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ بت مٹھائیوں کے بھی بننے تھے، عجیب تریہ کہ خود خانہ کعبہ میں غیر محدود بت موجود تھے جن کی باضابطہ پرستش ہوتی تھی، مادر زاد ہو کر طواف کیا جاتا تھا اور بسا اوقات عورتوں اور مردوں کا یہ مخلوط مجمع اس عریاں طواف کی خدمات انجام دیا کرتا تھا۔

عزیزے کہ ہر کز درش سر تافت بہر در کہ شدیچ عزت نیافت

اہلِ فترت اور ان کی قسمیں :- اس زمانے کے لوگوں کو اہلِ فترت کہا جاتا تھا، ان کے حالات و اطوار کی بنا پر ان کی تین قسمیں قرار دی گئی تھیں۔

پہلی قسم میں ایک جماعت اُن لوگوں کی تھی جو اگرچہ انبیاء و رسل کی صحبت، زیادت سے تو محروم تھے ہی، روایات صحیحہ سے بھی ان مبارک ہستیوں اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کے اقوال و افعال ان کو معلوم نہ ہو سکے تھے، ہاں نظامِ عالم کے مشاہدات لیل و نہار کے انقلابات صیف و شتا موت و حیات کا الٹ پھیر، شمس و قمر کی گردشیں ان کی نظروں سے اوجھل نہ تھیں، اور ان کے لئے ان سے آنکھیں بند کرنا آسان نہ تھا، اور اسی لئے ان کو یقین تھا کہ عالم اور اس کے کائنات و تغیرات خود رونہیں ہیں، جب کہ دنیا کا کوئی ذرہ بھی بغیر تحریک کے متحرک نہیں ہے تو یہ

عالم اس نظم خاص سے کہ ہر چیز اپنے وقت مقرر پر ہوتی ہے۔ کسی حقیقی موجد اور صاحب قدرت اور فاعل مختار کے بغیر کیونکر چل سکتا ہے۔

یہ لوگ نہ صرف یہ کہ خالق عالم کے وجود کو پہچانتے تھے۔ بلکہ اُس کی وحدت کے بھی قائل تھے۔ اور اسی لئے عقل کی روشنی میں بت پرستی کو بدتر جانتے تھے۔ چنانچہ انہیں میں بعض ایسے بھی تھے کہ ان کی گردن کسی بت کے سامنے کبھی بھی نہ جھکی تھی۔ بعض نے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کی رہنمائی میں کچھ دنوں جبہ سائی کی مگر نور بصیرت نے جلد ہی بتا دیا کہ راستہ غلط ہے کسی نے

أَوَلَمْ يَأْتِ الْوَاحِدَ أَمْ أَلْفَ رَبِّ ۖ
أَوَلَمْ يَأْتِ الْوَاحِدَ أَمْ أَلْفَ رَبِّ ۖ
كَذَلِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيرُ
كَذَلِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيرُ

ترجمہ:- جب کام تقسیم ہوتے ہیں تو میں ایک رب کو مانوں یا ہزار رب کو۔ میں نے لات اور عزمی تمام بتوں کو چھوڑ دیا اسی طرح صاحب بصیرت شخص کرتا ہے۔

کہا۔ اور کسی نے یہ دیکھ کر کہ پتھر کے یہ بے حس و حرکت مجھے یہ بھی نہیں کر سکتے کہ جنگل کی لومڑیاں ان پر پیشاب کر دیتی ہیں اور یہ معبودانِ مسجود نہ پیشاب سے بچنے کی ہمت کر سکتے ہیں نہ پیشاب کرنے والیوں سے۔

أَرَأَيْتُمُ اللَّعْلَبَانِ رَأْسَهُ تَمَازِيهِ بَعْدَ كَيْفٍ قَاتِلٍ ۚ
أَرَأَيْتُمُ اللَّعْلَبَانِ رَأْسَهُ تَمَازِيهِ بَعْدَ كَيْفٍ قَاتِلٍ ۚ
کے سر پر لومڑیاں پیشاب کر دیتی ہیں۔

کہہ دیا۔ اور اس آجلی رسم کو ترک کر دیا۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مِّثْلُ مَا اسْتَمَعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ
اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ النَّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَفْلِحُوا مِنْهُ

ترجمہ:- اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ ہے کہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک ادنیٰ مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی (کیوں نہ) جمع ہو جائیں اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ ایسے عاجز ہیں کہ) اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو (تو) اس سے چھڑا (ہی) نہیں

سکتے۔ (الحج: ۷۳)

اس قسم کے لوگ وجود باری بلکہ خالق عالم کی توحید کے بھی قائل تھے، مگر تفاوت عقول کی وجہ سے ان کے مسلک بھی مختلف تھے، بعض نے آبائی رسوم کو جو کہ خارج از عقل تھیں ترک کر دیا لیکن نہ یہود کا طریقہ اختیار کیا نہ نصرانیت میں داخل ہوئے۔

نبی آخر الزمان کی بشارت :- ایاد نامی خاندان کے ایک فرد ”قس بن ساعدہ“ کا شمار اسی قسم کے لوگوں میں ہے، یہ شخص اسی زمانہ جاہلیت میں نہ صرف یہ کہ وجود باری اور توحید کا قائل تھا بلکہ ازمنہ سابقہ کے حالات، اور کارکنان قضا و قدر کے طرز عمل کو دیکھ کر وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ مخلوق کے اس طرح شتر بے مہار ہو کر آزاد رہنے کو رحمت خداوندی دیر تک برداشت نہیں کر سکتی ہے، اور چونکہ خانہ کعبہ کی برکات سے بھی ناواقف نہ تھا، آجہاد اور رہبان کے اقوال سے بھی بے خبر نہ تھا اس لئے یہ بھی سمجھتا تھا کہ عنقریب انہیں اطراف میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور مبعوث ہو گا، حتیٰ کہ ایک مرتبہ تو اس نے مجمع عام میں علی الاعلان خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ”سَيُعْلَمُ خَلْقُ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ“ (یعنی عنقریب یہاں سے حق ظاہر ہو گا) مجمع میں سے کسی نے کہا کہ کیا مطلب ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ لوی بن غالب کے خاندان کا کوئی شخص تم کو کلمہ اخلاص کی دعوت دے گا، حیات ابدی، اور دائمی نعمتوں کی طرف بلاوے گا، میں تم سے خیر خواہانہ طرز پر کہتا ہوں کہ جب کبھی ایسا ہو تو تم لوگ اس کی بات مان لیتا، اگر مجھ کو اپنی زندگی پر بھروسہ ہوتا اور یقین ہوتا کہ میں وقت مذکور تک زندہ رہوں گا تو تم میں سب سے پہلے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور تابعداری کرتا۔ (سیرت نبویہ)

حضرت زید بن عمرو بن نفیل :- اسی جماعت میں زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے، سعید بن زید کے والد ہیں، جو کہ عشرہ مبشرہ بالینہ میں سے ہیں اور حضرت فاروق اعظم کے چچا ہیں۔ زید بھی اپنی عقل سلیم کی رہبری میں توحید کے قائل، بیت پرستی کے تارک، اور تمام مشرکانہ رسوم سے الگ تھلگ رہنے والے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا سے اٹھ گئے تھے اپنے زمانہ حیات میں بارہا مجامع عامہ میں کہا ہے کہ۔

انی مخالفت قومی و اتبعت ملة ابراهيم و اسمعيل وما كانا بعدان، وکانا بصلیان الی
هذه القبلة وانا انتظر نیا من بنی اسمعيل ولا ارانی ادركه وانا او من به و اصدقه واشهد
انه نبی

ترجمہ:- میں نے اپنی قوم کی مخالفت کی، اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل کی ملت کو اختیار
کیا، اور یہ دونوں جس خدا کی عبادت کرتے تھے اسی کی عبادت میں بھی کرتا ہوں، یہ دونوں اسی
قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور میں اس نبی کا منتظر ہوں جو حضرت اسمعیل کی اولاد
میں سے ہو کر مبعوث ہو گا مجھ کو توقع نہیں کہ میں ان سے مل سکوں گا مگر میں ان پر ایمان لاتا ہوں
اور ان کو سچا نبی سمجھتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔

عمر بن ربیعہ سے تو انہوں نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر تم اس وقت تک زندہ رہو کہ وہ نبی
مبعوث ہوں جن کی بعثت کا مجھ کو یقین ہے تو تم ان کی خدمت میں میرا سلام ضرور عرض کر دینا،
چنانچہ عمر نے آپ کی خدمت میں ان کا سلام پہنچایا، آپ نے جواب دیکر دعا رخصت کی، اور یہ
بھی فرمایا کہ میں نے ان کو جنت میں دامن کشاں کشاں پھرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس موقع پر یہ شبہ رفع کر دینا ضروری ہے کہ زید نے اتبعت ملة ابراهيم کہہ کر اپنے آپ کو
ملت ابراہیمی کا متبع قرار دیا تھا پھر ان کو اہل فترت کی اس جماعت میں ہم نے کیوں داخل کیا،
کیونکہ اس قسم میں تو صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں جو اپنی عقل سے صراط مستقیم کو منتخب
کر چکے ہوں، کسی آسمانی ملت کے متبع نہ ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ملت ابراہیمی کو اس درجہ متغیر کر دیا گیا تھا کہ اس میں بعض قطعیات
کے علاوہ کوئی دوسرا نشان بھی باقی نہ تھا پس اس کو ملت ابراہیمی کہنا ہی صحیح نہ تھا۔

صدیق اکبر:- اسی جماعت میں افضل الناس بعد الانبیاء ابو بکر صدیق بھی تھے، انہوں نے از
ابتدائے طفولیت تا وقت وفات کبھی بھی کسی بت کے سامنے سر نہیں جھکایا نہ سجدہ کیا، بلکہ یہ بھی
غلط نہیں کہ مشرکانہ رسوم میں سے کسی ایک رسم کو بھی نہیں کیا، اور اسی لئے بعض اہل تحقیق
فرماتے ہیں کہ ابو بکر اور علی بن ابی طالب دونوں مرتبہ صدیقیت سے فائز اور لقب صدیق سے
ملقب ہیں، کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی از ممد تا لحد کسی بت کے سامنے سر نہیں

جھکایا تھا، یہ اتفاقی بات ہے کہ دونوں میں ماہِ الامیاز قائم کرنے کے لئے ایک کو صدیق اور دوسرے کو کریم اللہ و جبرہ کے ساتھ یاد کیا جاتا رہا ہے۔ (سیرۃ نبویہ)

ان کی دوسری قسم:- ان کی دوسری جماعت وہ تھی، جس نے اپنے آپ کو شرک کی نجاست سے بچایا، اور اسی پر بس نہ کی بلکہ ایسے سلاوی دین میں بھی داخل ہو گئے جس کے آثار و احکام نسبتاً زیادہ باقی تھے۔

اس جماعت میں شیخ اور اس کی قوم حمیر نامی، اہل نجران، ورقہ بن نوفل داخل ہیں، یہ تمام جماعتیں دین عیسوی کے منسوخ ہونے سے قبل زمانہ جاہلیت ہی میں نصرانیت قبول کر چکے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام:- اسی سلسلے میں یہ بحث آجاتی ہے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کس جماعت میں تھے؟ علمائے محققین نقد و تبصرے کے وقت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، اجماع امت کو پیش نظر رکھ کر کسی بحث پر حکم دیتے ہیں، اس مرحلے پر ان کے یہاں محبت، عظمت کوئی چیز نہیں ہے، ایک عالم کو اپنے لاڈلے، بیٹے سے کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو، اس کی ذرا سی بے چینی، دن کی غذا، رات کی نیند حرام کر دیتی ہو مگر جب ترکِ صلوٰۃ کا مسئلہ پیش آوے گا تو وہ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَبِّدًا لِقَوْلِ الْكَافِرِ (یعنی جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو تحقیق اس نے کفر کیا) کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرے گا۔

علماء کا یہ طریقہ اپنے علم سے سیکھا ہوا ہے، ان کے اسلاف نے ان کو یہی بتایا ہے کہ حق گوئی کے موقع پر لَا يَخَافُونَ كُوفَةً لَا يَمُوتُونَ (یعنی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہیں کرتے) پر عمل کریں۔

اس سلسلے کی مناسبت سے وہ واقعہ بیان کیا جاسکتا ہے جو زبان زد ہے کہ ایک کبیرہ کے جرم میں حضرت فاروق اعظم نے اپنے بیٹے کو کوڑے مارے جانے کی سزا دی، اور صاحبزادہ مذکور اس اقامتِ حد کے دوران میں شہید ہو گئے، کیونکہ اس واقعہ سے وہ محبت بھی ثابت ہے جو کہ حضرت

فاروق اعظم کو اپنے صاحبزادے سے تھی، اور وہ ثابت و استقلال بھی ثابت ہے جو عَشُوْا عَلَیْہَا بِاَنُوْاجِیْر (اس کو خوب مضبوطی سے پکڑو۔) پر عمل کرتے ہوئے حدود شرعیہ پر تھا۔
اس واقعہ کی صداقت مشتبہ ہے، علمائے محققین کی آراء میں اس کے سقم اور صحت میں اختلاف ہے بعض حضرات اگر دہلی زبان سے اس کی تصدیق کرتے ہیں تو اکثر حضرات اس کو صاف لفظوں میں موضوع (خود ساختہ) کہہ دینے میں بھی تامل نہیں کرتے ہیں۔
مختلف فیہ واقعہ کو بیان کرنا عبث ہے۔ ہم اس موقع پر ایک دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے اسلامی فرق مراتب واضح ہو جاوے۔

اسلام میں فرق مراتب :- عمران اور حصین، دونوں صحابی ہیں، اول الذکر بیٹے ہیں اور باپ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے منور الذکر باپ ہیں اور بیٹے کے مسلمان ہو جانے کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔

عمران تو فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو چکے تھے، ان کا اکثر وقت آپ ہی کی خدمت میں گزرتا تھا، لیکن حصین اب تک شرف اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض نہ تھے، بلکہ آپ کے فضائل کے معترف اور خصائل حسنہ کے مقرر تھے، اور ان کی معقول تعداد ایسی بھی تھی جو آپ کے امتثال امر کو ضروری سمجھتی تھی آپ کو مستجاب الدعوات مانتی تھی، مگر ان سب کے لئے یہ امر ناقابل برداشت تھا کہ آپ کی تقریر میں ایسے کلمات بھی ہوتے تھے جن کی وجہ سے ان کے آئمہ باطلہ کی سابقہ عظمت مرمومہ باقی نہ رہتی تھی، یہ جرم ان کے نزدیک ناقابل عفو جرم تھا، قتل و قتل کے ذریعہ سے خون کی ندی بہا دینی ان کے نزدیک دشوار تھی مگر یہ کلمات ان کے لئے کھو گراں سے بھی زیادہ ثقیل تھے۔

حصین رؤسائے قریش میں سے تھے، کفار کے ایک بڑے مجمع نے ان سے ان خود ساختہ معبودوں کی توہین کی شکایت کی، اور کہا کہ اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فتنہ برپا کر رکھا ہے آج تک ہم نے اس کی خاندانی عظمت کا خیال کیا اور سچ تو یہ ہے کہ خود اس میں بھی بہت سی خوبیاں ہیں مگر یہ شخص ہمارے دیوتاؤں کی توہین کرتا ہے، ہم اس کی پاداش میں باسانی

موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے مگر اس کی خاندانی عظمت اور ذاتی خوبیوں نے ہم کو اس سے روک رکھا ہے۔ اور ہم نے اس کو اس توہین کی سزا آج تک نہیں دی، ہم نے بہت سمجھایا کہ یہ شخص جو چاہے کرے مگر ہمارے دیوتاؤں کی توہین نہ کرے مگر ہمارے سمجھانے سے یہ شخص سمجھتا نہیں ہے، اگر آپ ہی اس کو سمجھادیں تو اچھا ہو، آپ قوم کے بڑے ہیں، آپ کی بات کا اس پر اثر ہو گا، اگر اس نے آپ کی بات مان لی تو قتنہ کی یہ بھڑکتی ہوئی آگ فرو ہو جاوے گی، اور کئے سے ایک بڑا فتنہ ختم ہو جاوے گا۔

حصین نے خیال کیا کہ موقع اچھا ہے، مجھ کو چاہئے کہ میں ان کو اس غلط طریقہ سے روک دوں اگر انہوں نے میری بات مان لی تو میری سیادت میں چار چاند لگ جاویں گے، اور اگر نہ مانی تب بھی قوم کو یہ باور کرا دینا آسان ہو گا کہ میں ان کے درد و غم میں شریک ہوتا ہوں، اس خیال کے آتے ہی سب کو ساتھ لیکر خدمت میں حاضر ہونے کے لئے طیار ہو گئے، راہ میں خیال آیا کہ اگر ان سب کو ساتھ لیکر خدمت میں حاضر ہوا تو غیر جانبدارانہ انداز نہ رہے گا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود یقین کر لیں گے یا کوئی ان کو یہ خیال دلا دے گا کہ قوم ان کو لے کر آئی ہے، اور میں ان کا حامی بن کر آیا ہوں، اس صورت میں میری بات کا اثر کم ہو جاوے گا، چنانچہ اسی خیال کی بنا پر حصین نے اپنے ہمراہوں کو باہر روک دیا، اور تن تنہا حاضر خدمت ہوئے۔

آپ نے ان کو آتا ہوا دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص اگرچہ کافر ہے مگر اپنی قوم کا سردار ہے، اس کے لئے جگہ چھوڑو، صحابہ سمٹ کر بیٹھ گئے اور ایک شخص کے بیٹھنے کی جگہ نکل آئی، عمران اپنی جگہ پر رہے، ان کو ضرورت نہ تھی کہ جگہ دیں کیونکہ جگہ ہو چکی تھی، جس طرح اس سے پہلے بیٹھے تھے اب بھی بیٹھے رہے حصین آکر حضورؐ کے قریب بیٹھ گئے اور جس طرح ہوشیار لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ کام نکالنے کے لئے اولاً تعریف شروع کرتے ہیں انہوں نے بھی آپ کی تعریف شروع کر دی، آپ کے خاندان کی مدح کی، پھر کہا کہ نہ معلوم آپ کے مخالفوں نے یہ خبریں کیوں مشہور کر دی ہیں کہ آپ ان معبودوں کی توہین کرتے ہیں جن کو اہل عرب ازمنہ قدیمہ سے سامنے اور ان کی عبادت کرتے ہوئے آرہے ہیں، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کی طرف سے یہ باتیں احمق لوگوں نے یا آپ کے دشمنوں نے نازل کی ہیں تاکہ آپ کی اور آپ کے خاندان کی دونوں کی عظمت قلوب سے نکل جاوے میں تو آپ سے واقف ہوں، آپ نے کبھی نہ چاہا کہ کئے میں قتنہ

پھیلے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب کچھ نہ دیا مگر نہایت نرمی سے یہ دریافت کیا حسین! تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو، حسین نے کہا کہ غلط گوئی کرنے والوں نے اس میں جھوٹ کی آمیزش کر رکھی ہے اور چاہتے ہیں کہ ہم کو احمق ثابت کریں۔ اسی لئے انہوں نے مشہور کر دیا ہے کہ ہم ان گنت معبود مانے ہوئے ہیں، اور سینکڑوں دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ خبر غلط اور بالکل غلط ہے ہمارے معبود صرف سات زمیں پر ہیں اور ایک آسمان پر، آپ نے اس جملے کی بھی نہ تردید کی نہ تصحیح، پھر نرمی سے فرمایا کہ جب تم پر راضی یا سلوی کوئی مصیبت پڑتی ہے تو اس وقت کس سے استغاثہ کرتے ہو، حسین نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اچھا ہوا کہ آپ نے یہ بھی دریافت کر لیا، جواب دینے کی وجہ سے بات تو واضح ہو جاوے گی، ابہام تو نہ رہے گا ورنہ میری بات نامتام تھی، زمینوں کے ان سات خداؤں کی عبادت بھی برائے نام ہوتی ہے، کیونکہ حوادث و مصائب کے نزول کے وقت ہم لوگ صرف آسمانی خدا کو یاد کرتے ہیں، اس یاد میں زمینوں کے خدا شریک نہیں کئے جاتے ہیں۔

آپ نے اس جواب پر ارخانے عنان کیا، اور فرمایا کہ اچھا، اگر کسی وقت تم لوگوں پر مال کی تباہی نازل ہو تو اپنی مصیبت بھری داستانیں کس کو سناتے ہو؟ حسین نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف آسمانی خدا کو، آپ نے سن کر فرمایا کہ حسین! کس قدر بڑے ظلم کی بات ہے کہ تمہاری مصیبتوں کو تو آسمانی خدا دور کرے، جانی اور مالی مصائب کی داستانیں اس کو سناؤ، لیکن جب ان سے نجات ملوے، اور عیش و خوشی آوے تو تم اُس کے ساتھ اور معبودوں کو بھی شریک کر لو، کیا اس کے احسانات کا بدلہ ہی ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی قربانیوں کی مکافات یوں ہی ہو سکتی ہے، حسین! ان گمراہیوں کو ترک کرو، میری بات مانو، مسلمان ہو جاؤ، حضرت موسیٰ علیٰ نبیناؤ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ نبوت کے متعلق کسی نے کہا تھا کہ

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال۔ کہ آگ لینے کو جاویں پیغمبری مل جائے

خدا کا یہ صاحب عزم رسول آگ لانے کے لئے گیا تھا، اس سے حرارت حاصل کر کے سردی کی تکلیف سے اپنے آپ کو، اور بی بی کو بچانے کا ارادہ تھا، گویا تھوڑے سے مبالغے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آگ میں جلنے ہی کے ارادے سے گئے تھے، اور یہی ہوا کہ اُس میں جلے،

اس سے متاثر ہوئے، اور اس تاثر نے یہاں تک قلب کو چھو نکا کہ رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرَ اِلَيْكَ (اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں) (الاعراف: ۱۳۳) زبان سے نکلا، مگر حصین کا حال اس سے زیادہ تعجب خیز ہے کیونکہ وہ تو اس کو فتنے کی بھڑکتی ہوئی آگ سمجھ کر اُس کو بجھانے گئے تھے، مقصد یہ تھا کہ اُس سے خود بچیں، دوسروں کو بچاویں، اور خود اُسی میں جل گئے تو گویا آگ بجھانے گئے اور اُسی میں جا کر جلے۔

آپ کے مبارک کلمات نے حصین کے قلب پر اثر کیا اور فوراً مسلمان ہو گئے حصین کے مسلمان ہوتے ہی عمران والہانہ انداز سے اپنی جگہ سے اٹھے، باپ کے قدموں پر گرے، ہاتھ چومے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ یہ حصین وہی حصین ہیں، جواب سے تھوڑی دیر پہلے میرے پاس آئے اور بیٹے نے پرواہ بھی نہ کی گویا ان میں باہم کوئی تعلق ہی نہ تھا، لیکن جب کفر کا رنگ اُن سے دور ہو گیا تو عمران نے وہی کیا جو ایک سعادت مند بیٹے کو اپنے باپ کے ساتھ کرنا چاہئے تھا۔ (سیرۃ نبویہ ۱۹۱ ج ۱)

کتابوں کی ورق گردانی کے بعد ایسے واقعات بکثرت ملیں گے، اُن سب کا استیعاب مقصود نہیں ہے نمونے کے طور پر ایک واقعہ اس غرض سے پیش کرنا تھا کہ معلوم ہو جاوے کہ اسلام خبیث کو خبیث اور طیب کو طیب قرار دیتا ہے، اس مرحلے پر اُس کے یہاں کوئی چیز کاوٹ ڈالنے والی نہیں ہے، مسلمان حق گو، اور صاف گو ہوتا ہے، اور

كُونُوا هَادِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدِیْنَ وَالْاَقْرَبِیْنَ

ترجمہ:- انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ذات ہی پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ (النساء: ۱۳۵)

اس کے پیش نظر رہتا ہے۔ ہمارے علماء کرام بھی اسی روش پر چلتے ہیں، ان کی فطری محبت، ان کے باہمی تعلقات، احکام شریعہ کی چھان بین، اور احقاقِ حق میں مانع نہیں ہوتے ہیں۔

اور اسی وجہ سے وہ اس بارے میں مختلف القول ہیں کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام و ایمان حسب قواعد شرعیہ ثابت ہے یا نہیں؟

علماء محققین کی ایک معتد بہا جماعت کی رائے ہے کہ شرعی قواعد اور اسلامی ضوابط سے ان کا اسلام ثابت نہیں ہے، یہ حضرات ان تمام دلائل کو رد کرتے ہیں جو ان کے مسلمان ہونے اور ناجی ہونے پر قائم کئے جاتے ہیں۔

انہیں علماء کی دوسری جماعت ہے جو اس امر کی مدعی ہے کہ ان کا اسلام ثابت ہے، اور کہتی ہے کہ ہمارے پاس ایسے ایسے دلائل قویہ ہیں جن کا انکار کوئی منصف مزاج نہیں کر سکتا ہے، اسی لئے امام زر قانی فرماتے ہی کہ:

وَلَا بَدَعَ أَنْ يَكُونَ الْآبَوَانِ الشَّرِيفَانِ كَالْقِسْمِ الْأَوَّلِ أَعْيَ زَيْدُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ نُفَيْلٍ وَ قَسَمَ
بْنِ سَاعِدَةَ، بَلْ الْآبَوَانِ أَوْلَىٰ بِذَلِكَ

ترجمہ:- یہ امر قابل تعجب نہیں کہ آپ کے والدین کو بھی جاہلیت کی قسم اول میں شامل کر لیا جاوے جیسے کہ زید بن عمرو بن نفیل، اور قس بن ساعدہ، بلکہ آپ کے والدین تو بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں کہ قسم اول مذکور میں ان کو محسوب کیا جاوے۔

مسئلہ پیچیدہ ہے، فریقین میں علمائے اذکیا ہیں، نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلے میں کون سی جماعت غلطی پر ہے، اور اس بارے میں کسی غلط عقیدے پر قائم ہو جانا خطرناک غلطی ہے، جس کی اصلاح ناممکن ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ مذہب حنفیہ کے اچھے خاصے حامی ہیں، مگر چونکہ وہ آپ کے والدین کے کفر کے قائل ہیں، اس لئے شافعیہ کی ایک بڑی جماعت ان پر برس پڑی ہے، ان کی عبارتوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل اب بھی ٹھنڈا نہیں ہوا، آپ کے والدین ناری ہو یا ناجی مگر ملا علی قاری کو ناری ہی قرار دیں۔

ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا طریقہ اس بارے میں محتاط طریقہ ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کی نہ تائید کرتے ہیں نہ تردید، سکوت اور توقف اختیار فرماتے ہیں۔ یہ طریقہ اس لئے احوط ہے کہ آپ کے والدین کے کفر یا اسلام پر کسی شرعی اصل و فرع کا، یا ایمان و اعمال کا مدار نہیں ہے، غلطی کا احتمال دونوں جانب ہے، اس لئے اس کو علام الغیوب ہی پر مفوض کر دیا جاوے، اگر یہ دونوں فی الواقع یعنی عند اللہ مومن ہیں اور ہم نے ان کو کافر کہا تو مَن قَالِ يَا كَافِرُ فَتَدْبَأُ بِہِ اَحَدُہُمَا۔ (یعنی جس نے اپنے بھائی کو اے کافر کہا تو یہ کفر ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف

لوثا ہے۔) کی وعید کے مصداق ہوئے، اور اگر معاملہ برعکس ہے تو کافر کو مومن کہہ کر عَدُوّ اللہ کو حَبِیبُ اللہ ٹھہرایا، یہ بھی قابلِ مواخذہ اور وہ بھی لائقِ باز پرس، اور سکوت کی صورت میں کوئی خطوئی نہیں ہے، کیونکہ ان کے مسلمان ہونے یا کافر ہونے کا عقیدہ جزو ایمان نہیں ہے۔

اہلِ فترت کی دوسری قسم :- اہلِ فترت کی دوسری قسم میں وہ لوگ تھے جنہوں نے عقل و نقل کی مخالفت دل کھول کر کی، حلال و حرام کے بارے میں خود مختار تھے، جس کو چاہا حلال کہا اور جس کو چاہا حرام کہا، شرک کرتے تھے، توحید ان کے پاس نہ تھی، غرض یہ کہ مذہب کے بارے میں اچھے خاصے ڈکٹیٹر تھے، ان کی چند مذہبی رسمیں یہ تھیں۔

۱۔ غلے اور پھلوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے نام کا نکالتے، اور کچھ بتوں اور جنات کے نام کا، پھر اگر اتفاق سے اللہ کے حصے میں سے کچھ بتوں کے حصے میں مل جاتا تو اس کو ملارہنے دیتے اور عکس میں اس کو نکال کر بتوں کے حصوں میں ملادیتے، اور بہانہ یہ کرتے کہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اس کا حصہ کم ہو جانے سے اُس کا ضرر نہیں، اور شرکاء محتاج ہیں اُن کا حصہ نہ گھٹنا چاہئے۔

۲۔ (الف) بحیرہ: وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے، کوئی اپنے کام میں نہ لانا تھا۔

(ب) سائبہ: وہ جانور جس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اُس سے کوئی کام نہ لیتے، جیسے اس ملک میں بعض لوگ سانڈ چھوڑتے ہیں۔

(ج) وکیلہ :- وہ ناقہ اونٹنی ہے جو پہلی بار مادہ پچہ بنے، پھر دوسری بار بھی مادہ پچہ دے، درمیان میں زچہ نہ پیدا ہو، اُس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

(د) حامی :- وہ زراعت تھا جو ایک خاص شمار سے جتنی کر چکا ہوں اُس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے، اس میں بھی بتوں کا حصہ یہ ہوا کہ عبادت اُن کی تھی اور اللہ کا حصہ یہ ہوا کہ خوشنودی اُس کی سمجھتے تھے۔

- ۳۔ اپنی دختری اولاد کو قتل کر ڈالتے یا زندہ درگور کر دیتے تھے۔
 - ۴۔ کچھ کھیت بتوں کے نام وقف کر دیتے اور کہتے کہ اس کا اصل مصرف مرد ہیں، اور عورتوں کو اس میں سے کچھ دینا ہماری اپنی رائے پر ہے، اگر ہماری مرضی ہو کچھ حصہ اُن کو دے سکتے ہیں ورنہ وہ اس کا مصرف نہیں۔
 - ۵۔ اسی طرح مواشی کے باب میں بھی ان کا عمل تھا۔
 - ۶۔ جن چوپایوں کو بتوں کے نام مخصوص کر کے چھوڑ دیتے تھے اُن پر سواری اور بار برداری کو جائز نہ سمجھتے تھے۔
 - ۷۔ بعض چوپایہ مخصوص تھے جن پر کسی موقع میں اللہ کا نام نہ لیتے تھے، نہ دودھ نکالتے وقت، نہ سوار ہوتے وقت، نہ ذبح کے وقت۔
 - ۸۔ بحیرہ اور سائبہ کے ذبح کے وقت جو بچہ پیٹ میں سے نکلتا اگر وہ زندہ ہوتا تو اُس کو ذبح کر لیتے اور مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے، اور اگر وہ مردہ ہوتا تو سب کے لئے سمجھتے تھے۔
 - ۹۔ بعض چوپایوں کے دودھ کو بھی مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے۔
 - ۱۰۔ بحیرہ سائبہ، وکیلہ کی تحریم اور تعبد اور اس کی تابید کے قائل تھے۔
- (ماخوذ از بیان القرآن)

اس لئے فرمایا گیا ہے کہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَلِبَ هَذَا حَلَالٌ وَ هَذَا حَرَامٌ

ترجمہ:- اور جن چیزوں کے بارے میں تمہیں تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام۔ (النحل: ۱۱۶)

عرب میں بت پرستی کی ابتدا ہے۔ اس قسم کے لوگ بکثرت تھے، ان میں سے ایک عمرو بن لُحی بن قمعہ بھی تھا، اس کی نسبت تو حالات عرب سے واقفیت رکھنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل عرب کو ملت ابراہیمی سے منحرف کرنے اور بت پرستی میں مشغول کرنے والا پہلا شخص یہی ہے کیونکہ یہ شخص سیرو سیاحت کرتا ہوا ملک شام میں وارد ہوا، شام میں اس وقت عمالقی کا

خاندان آباد تھا، سینکڑوں بت اُن کے یہاں موجود تھے، اس نے یہ چیز بالکل نئی دیکھی، گردل کو لگ گئی، چنانچہ اُس نے ان لوگوں سے ایک بت مانگ لیا، اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مکہ میں لایا، خانہ کعبہ میں اس کو نصب کیا، اس بت کا نام ٹہل تھا، اور بحیرہ، سائبہ، وصیلہ بھی اسی کی ایجاد تھی۔

اہل فترت کی تیسری قسم: اہل فترت کی تیسری قسم ان لوگوں کی تھی کہ جنہوں نے نہ توحید باری ہی کو سمجھا، نہ شرک کی دلدل میں پھنسے، نہ کسی دوسرے سماوی دین کو اختیار کیا، نہ خود اپنے لئے کسی تہذیب کا اختراع کیا، بلکہ ساری عمران امور سے غفلت میں بسر کی، بے توجہی میں گزاری۔

اہل فترت کی یہ تمام جماعتیں ناری تھیں یا ناجی؟ اس کے جواب میں ہم علامہ سید احمد زینی دحلان کی پر شوکت اور فیصلہ کن تقریر کر دیں جس سے ان کی رائے اہل فترت کے متعلق معلوم ہو سکے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح ہو جاوے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کافر ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ان کے پاس دلائل کا کیا نمونہ ہے فرماتے ہیں کہ:-

وَإِذَا انْقَسَمَ أَهْلُ الْفِتْرَةِ إِلَى الثَّلَاثَةِ الْأَقْسَامِ فَيَحْمَلُ مَنْ صَحَّ تَعْلِيْقُهُ عَلَى الْقِسْمِ الثَّانِي لِأَجْلِ كُفْرِهِمْ بِمَا تَعَلَّقُوا بِهِ مِنَ الْخَبَائِثِ، وَقَدْ سَمَى اللَّهُ هَذَا الْقِسْمَ كُفَّارًا وَ مُشْرِكِينَ، فَإِنَّمَا الْقُرْآنُ حَكَمٌ حَالَ أَحَدٍ مِنْهُمْ سَجَلَ عَلَيْهِمُ بِالْكَفْرِ وَالشُّرْكِ كَقَوْلِهِ فِي مَقَامِ الرَّدِّ وَالْإِنْكَارِ لِمَا ابْتَدَعُوهُ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَابِئَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَثَرُوا لَا يَعْقِلُونَ وَإِنَّمَا قِيلَ لَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ لِأَنَّهُمْ قَالُوا فِيهِ الْإِبَاءَ وَهَذَا شَأْنُ أَكْثَرِهِمْ بِخِلَافِ الْقَلِيلِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ تَبَاعَدَ عَنْ ذَلِكَ وَوَحَّدَ اللَّهُ وَهُمْ أَهْلُ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ، وَأَمَّا الْقِسْمُ الثَّالِثُ فَهُمْ أَهْلُ الْفِتْرَةِ حَقِيقَةً وَهُمْ غَيْرُ مُعَذِّبِينَ إِنْفَاقًا - إِذَا عَلِمْتَ ذَلِكَ تَعَلَّمْ أَنَّ وَالِدِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَنْ يَكُونَا مِنْ أَهْلِ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ كَمَا دَلَّتْ عَلَى ذَلِكَ أَشْغَارُهُمْ وَأَقْوَالُهُمْ الْمَنْقُولَةُ عَنْهُمْ فِيمَا تَقَدَّمَ وَإِنَّمَا أَنْ يَكُونَا مِنَ الْقِسْمِ الثَّالِثِ لَمْ تَلْهُمَا دَعْوَةُ لِنَاخِرِ زَمَانِهَا وَبَعْدَ مَا يَنْتَهَا وَبَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ السَّابِقِينَ وَكَوْنِهِمَا فِي زَمَنِ

جَاهِلِيَّةٍ عَمَّ الْجَهْلُ فِيهَا شَرْقًا وَغَرْبًا وَقَدْ فِيهَا مَنْ يَعْرِفُ الشَّرَائِعَ وَيَبْلُغُ الدَّعْوَةَ عَلَى
وَجْهِهَا إِلَّا نَفَرًا بَسِيرًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مُفْرَقِينَ فِي أَطْوَافِ الْأَرْضِ كَالشَّامِ وَغَيْرِهَا وَمَا
عَهْدُ لَهَا تَقَلُّبٌ فِي الْأَسْفَارِ سِوَى الْمَدِينَةِ وَلَا أُعْطِيَ عُمْرًا طَوِيلًا يَسَعُ الْفَحْصُ عَنْ
الْمُطْلُوبِ مَعَ زِيَادَةِ أَنَّ أُمَّهُ ﷺ مُخَلَّدَةٌ مَصْنُوعَةٌ مُحَجَّبَةٌ فِي الْبَيْتِ عَنِ الْاجْتِمَاعِ
بِالرِّجَالِ لَا تَجِدُ مَنْ يُخْبِرُهَا وَإِذَا كَانَ النِّسَاءُ الْيَوْمَ مَعَ فَتْوَى الْإِسْلَامِ شَرْقًا وَغَرْبًا لَا
يُنْزِلْنَ غَالِبَ أَحْكَامِ الشَّرِيعَةِ لِعَدَمِ مُخَالَطَتِهِنَّ الْمُفْقَهَاءَ فَمَا ظَنُّكَ بِزَمَانِ الْجَاهِلِيَّةِ
وَالْفَتْرَةِ الَّتِي رَجَالُهَا لَا يَعْرِفُونَ ذَلِكَ فَضْلًا عَنْ نِسَائِهِ وَلِهَذَا لَمَّا بُعِثَ ﷺ تَعَجَّبَ أَهْلُ
مَكَّةَ وَقَالُوا أَبْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَا نَزَلَ مَلَائِكَةٌ فَلَوْ كَانَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ مِنْ
بُعْثِ الرُّسُلِ مَا أَنْكَرُوا ذَلِكَ وَرَدَّمَا كَانُوا يَطْلُبُونَ أَنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بُعِثَ بِأَهْلِهِ عَلَيْهِ
فَأَنَّهُمْ لَمْ يَجِدُوا مَنْ يُبَلِّغُهُمْ شَرِيعَةً عَلَى وَجْهِهَا لِدُنُورِهَا وَقَدْ مَنْ يَعْرِفُهَا إِذْ كَانَ بَيْنَهُ
وَبَيْنَهُمْ أَزِيدٌ مِنْ ثَلَاثَةِ آلَافِ سَنَةٍ

ترجمہ :- جب یہ ظاہر ہو چکا کہ اہل فترت کی تین جماعتیں تھیں تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان تینوں
قسموں میں جس قسم کو معذب قرار دیا گیا ہے وہ دوسری ہی قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ
انہوں نے کفر کیا اور بہت سے خباثت کا ارتکاب کیا۔ خداوند عالم نے اسی قسم کے لوگوں کو کفار
اور مشرک فرمایا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کو بغور مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جب ان
میں سے کسی کا حال بیان فرمایا تو شرک و کفر کے اوصاف قطعی طور پر ان میں ثابت کئے۔
مثلاً جب ان کے مختصرات کو رد کرنا اور برا کہنا تھا تو فرمایا گیا کہ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ نَجْدٍ وَلَا
كَافِرٍ لَكَ اللَّهُ تَعَالَى نے ان جانوروں کو دیوتاؤں کے نام پر چھوڑنے کا طریقہ نہیں بنایا ہے۔ لیکن کفار خدا
پر جھوٹا افترا کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کو سمجھ ہی نہیں ہے۔

نا سمجھ ان کو اسی واسطے کہا گیا ہے کہ انہوں نے بغیر سمجھے ہوئے اپنے بابِ ادا کے قدم پر قدم رکھا۔
بخلاف تھوڑی سی جماعت کے کہ وہ ان خلاف عقل حرکات سے مجتنب اور دور دور رہی اور
توحید باری کی قائل ہوئی۔ یہ تھوڑی سی جماعت اہل فترت کی قسم اول ہے۔ رہی تیسری قسم۔ توہمی
لوگ صحیح معنی میں اہل فترت ہیں۔ اور ان کے غیر معذب ہونے اور ناجانی ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

اب جب کہ تم یہ سمجھ چکے تو تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین یا تو پہلی قسم میں داخل ہیں کیونکہ اُن کے جوا قال یا اشعار جو اُن سے منقول ہوئے ہیں یہی ظاہر کرتے ہیں، اور یا تیسری قسم میں داخل ہیں۔ انبیاء کی دعوت و تبلیغ زمانہ کے تاخیر اور بعد زمانہ کی وجہ سے نہ پہنچ سکی، علاوہ ازیں وہ ایسے زمانہ جاہلیت میں تھے کہ جس میں دنیا کا کوئی گوشہ جمالت سے خالی نہ تھا، نہ ایسا کوئی شخص موجود تھا کہ جو آسمانی احکام بتا دے، یا انبیاء کی دعوت کو صحیح طریقہ سے پہنچا دے۔

اہل کتاب کے چند علماء ضرور موجود تھے، جو شام وغیرہ ممالک بعیدہ میں کہیں کہیں موجود تھے، ان لوگوں کے سفر نہ تو مدینہ کے سوا کسی اور جگہ کے لئے ہوئے نہ اتنی عمریں ان کو ملیں کہ حق کی تلاش اور چھان بین کر سکتے، مزید برآں یہ کہ آپ کی والدہ ماجدہ پردہ نشین تھیں، مردوں کے مجامع میں کبھی آئی ہی نہ تھیں، کہ ان کو کوئی شخص احکام سنا دیتا، اور جب کہ ہمارے زمانہ کی عورتوں کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ اسلام اور احکام اسلام، عالم کے اطراف میں شائع ہیں۔ پھر بھی اکثر عورتیں احکام اسلامی سے اس لئے ناواقف ہیں کہ وہ علماء کی مجالس میں نہیں آتی ہیں تو زمانہ جاہلیت کی عورتوں کے متعلق کیا رائے قائم ہو سکتی ہے، جس کی عورتیں تو بجائے خود مرد بھی کچھ نہ جانتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہوں نے تعجب کا اظہار کیا، اور کہا کہ کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور یہ بھی کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ملائکہ کو نازل فرماتا، پس اگر ان کو بعثت کے متعلق ذرا سا علم بھی ہوتا تو وہ اس کا انکار نہ کرتے، اور بسا اوقات ان کو یہ وہم بھی ہوتا تھا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں ملت ابراہیمی یہی تھی کیونکہ شرعی احکام کو ان تک صحیح طریقہ سے پہنچانے والا کوئی نہ تھا اس لئے کہ ملت ابراہیمی پر تین ہزار سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا تھا۔

زمانہ جاہلیت کی ایک تصویر :- غرض یہ ہے کہ صدیاں گزر چکی تھیں کہ مخلوق خداوندی کے لئے ہدایت کے راستے مسدود اور ان کے نجات کے طریقے مفقود تھے، قدم اٹھانا دشوار تھا، صرف اپنے خالق، مالک، منعم حقیقی ہی سے غفلت نہ تھی بلکہ وہ ضلالت کے گڑھے میں گر کر کچھ ایسے گھر گئے تھے کہ عقل و دانش سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں ہی کی پرستش نہ ہوتی تھی، راستے کے گرے پڑے پتھر بھی معبود بن کر برا جہان ہو سکتے تھے، پیدا ہونے والے بچے (لڑکے ہوں یا لڑکیاں) قتل کئے جاتے تھے، یہ امر آخر ہے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا طریقہ زیادہ رائج تھا زندہ درگور کر دینا موجب غارت میں سے تھا نہ کرنا بے غیرتی کی علامت تھی، اس میں قساوت قلبی اس درجہ پر تھی کہ اس بہیمیت کو بھی باپ اور ماں خود اپنے ہاتھوں ہی انجام دیتے تھے، اسی سفاکانہ رسم کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب میں بالخصوص لڑکیاں ملتی ہی نہ تھیں، ادھر ادھر سے عورتیں پکڑ کر لائی جاتیں اور ان سے بقائے نسل کی ضرورت پوری کی جاتی تھی۔

قتل و قتل، خونریزی، وغارت گری کچھ اس طرح طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی کہ تھوڑی سی تحریک اس کے لئے کافی تھی، ذرا ذرا سی بات پر صف آرائی ہوتی اور جنگ چھڑ جاتی تھی، اور سالہا سال رہتی تھی، ہزاروں نعشیں میدان میں بے گور و کفن پڑی ہوتی تھیں، اور گراں بہا دیات (خون بہا) کی ذمہ داری پر لڑائی کا خاتمہ یا التوائے جنگ ہوتا تھا۔

معاشرت کا کوئی قاعدہ یا قانون نہ تھا جس کے بازو میں قوت تھی اس کی زبان خود مختار حاکم تھی، اور جس کی تلوار رنگ آلود نہ تھی فتکی اور سفاکی کے اوقات میں زیادہ جوہر دکھائی دیتی تھی، اُسی کے اشارات و مرضیات شاہی فرامین کی طرح معمول بہا تھے اسی لئے صنفِ نازک بجز قضائے شہوت کے کسی شمار و قطار ہی میں نہ تھی۔

رسول کی ضرورت :- آسمان کا درخشاں آفتاب اپنی لابی لابی شعاعیں اُس زمانے میں بھی زمین پر آج ہی کی طرح ڈالتا تھا، لیکن ظلمات کی ظلمت زمین پر بسنے والوں کو اندھوں کی طرح ہاتھ پیر مارنے پر مجبور کرتی تھی، ماہتابِ عالم تاب رات کے اندھیرے اور سیاہ سیاہ بادلوں کی تاریکی کو دور کر سکتا تھا۔ مگر قلوب کی سیاہیوں کو ظلم و ستم، تہمت و عناد، اور بد اخلاقی کے اندھیرے کو دور کرنے کے لئے اس کی چمک دمک بے سود تھی۔ دنیا کو ایسے آفتاب کی ضرورت تھی جو دل کی گہرائیوں میں سے سینوں کے اندر سے قلبی عملی ظلمتوں کو دور کرے، ایسے ماہتاب کی خواہشمند تھی جو اپنی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی سے قلوب کو منور اور بدن کو ٹھنڈا کر دے، اسی لئے ارحم الراحمین نے اپنی مخلوق پر رحم فرمایا اور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بطینِ آمنہ سے پیدا ہوئے۔

آپ کی ولادت :- اس تہذیب و تمدن کے زمانہ میں بھی کہ فن تاریخ قطعی اور یقینی قرار دیا گیا ہے تاریخ کے صفحات بیان واقعات میں مختلف ہو جاتے ہیں۔ تو اگر یہی اختلاف اب سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے (کہ یہ زمانہ جمالت کے شیوع کا تھا) ہو تو درحقیقت قابلِ تعجب نہیں۔ اسی لئے اربابِ تواریخ کی جمہوریت نے کسی ایک کو راجح قرار دے کر قرار دے لیا ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ امور ذیل میں سے ہر ایک مختلف فیہ ہے۔

(۱) کس دن پیدا ہوئے؟ (۲) کس تاریخ کو پیدا ہوئے؟ (۳) کس ماہ میں پیدا ہوئے؟ مگر اس امر کو اکثر نے مانتا ہے کہ آپ کی ولادت دو شنبہ کے دن بارہویں ربیع الاول کو اس سال ہوئی ہے جس سال یمن کے بادشاہ نے خانہ کعبہ کو ڈھا دینے کے ارادے سے ہاتھیوں کا لشکر لے کر چڑھائی کی تھی، اور بعض تو اس کو اس قدر محقق قرار دے دیتے ہیں کہ یوں بھی فرما دیتے ہیں کہ اس بارے میں سب متفق ہیں۔

لیکن صحیح یہی ہے کہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کی ولادت جمعہ کے دن ہوئی، یہ امر آخر ہے کہ یہ قول صحیح مسلم کی اس روایت کے خلاف ہے کہ ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ دو شنبہ کے روزے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں فرمایا کہ دو شنبہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا ہوں، اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے، علاوہ ازیں امام احمد بن حنبل (بإسنادہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت دو شنبہ کے دن ہوئی اور مکہ کو چھوڑ کر مدینہ بھی دو شنبہ ہی کے دن روانہ ہوئے، اور مدینہ میں داخل بھی دو شنبہ ہی کو ہوئے، اور وفات بھی دو شنبہ ہی کے دن ہوئی، بوقت تعمیر خانہ کعبہ قبائل قریش کی منازعت کو رفع کرنے کے لئے حجر اسود کو بھی آپ نے دو شنبہ ہی کے دن اپنی جگہ پر پہنچایا۔

چونکہ جمعہ کے دن کی ولادت کے متعلق رائے مخصوص صریحہ کے خلاف ہے اسی لئے صاحبِ ہدایہ نے فرمایا ہے کہ۔

هَذَا مَا لَا خِلَافَ فِيهِ أَنَّهُ وُلِدَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ

ترجمہ :- یعنی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کی ولادت دو شنبہ کے دن ہوئی۔

(الہدایہ والنہایہ ص ۲۶۰ ج ۲)

تاریخ ولادت میں اقوال مختلفہ :- پھر مورخین کی اکثریت کا بیان یہ ہے کہ ولادت مبارکہ کا مہینہ ربیع الاول تھا، مگر یہ لوگ بھی اتفاق کے باوجود تعین تاریخ میں مختلف ہو گئے بعض ۲ ربیع الاول اور بعض حضرات ۸ ربیع الاول بعض اصحاب ۱۰ ربیع الاول، اور بعض ۱۲ ربیع الاول فرماتے ہیں، اسی طرح ۷ ربیع الاول اور ۲۲ ربیع الاول کی بھی تصریحات ہیں۔

اور چونکہ بکثرت روایات سے ثابت ہے کہ آپ پر نزول وحی رمضان المبارک سے ہوا ہے اور ولادت ماہ ربیع الاول میں ہوئی اور یہ بھی روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ کی بعثت چالیس سال کی عمر کے بعد ہوئی تو آپ کی ولادت پر چالیس سال مکمل اسی وقت ہو سکتے ہیں جب کہ آپ کی ولادت ماہ رمضان المبارک میں مانی جاوے ورنہ ساڑھے انتالیس یا ساڑھے چالیس کی عمر مبارک ہو سکے گی، اس لئے ولادت آپ کی ماہ رمضان المبارک میں ہوئی ہے۔

بَعَثَهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً

(ترجمہ :- یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی۔)

کی روایت کے ذکر پر حافظ عسقلانی فرماتے ہیں :-

هَذَا إِنَّمَا يَتِمُّ عَلَى الْقَوْلِ بِأَنَّهُ بُعِثَ فِي الشَّهْرِ الَّذِي وُلِدَ فِيهِ وَ الْمَشْهُورُ عِنْدَ الْجُمْهُورِ أَنَّهُ وُلِدَ فِي شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ وَ بُعِثَ فِي رَمَضَانَ فَهَلْ هَذَا يَكُونُ لَهُ حِينَ بُعِثَ أَوْ يَكُونُ سَنَةً وَ يَصِفُ أَوْ بَسْمَةً وَ ثَلَاثُونَ وَ يَصِفُ فَمَنْ قَالَ أَوْ يَكُونُ أَنْفَى الْكُسْرِ أَوْ جَبْرَهَا

ترجمہ :- اس روایت کا مطلب اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب کہ یہ معلوم کر لیا جاوے کہ آپ پر نزول وحی اسی ماہ میں ہوا ہے جس میں کہ آپ کی ولادت مبارکہ ہوئی تھی، مگر اکثر علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت مبارکہ ماہ ربیع الاول میں اور آپ کی بعثت ماہ رمضان المبارک میں ہوئی ان کی رائے کے مطابق تو بعثت کے وقت پورے چالیس سال ہو ہی نہیں سکتے ہیں، ساڑھے انتالیس یا ساڑھے چالیس، ہاں اکثر علماء کی رائے کو مان لینے کے بعد اس قسم کی روایتوں کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے بیانات میں بیان کرنے والوں کے اعتبار کا فرق ہے کہ بعض نے درمیانی کسر کو ترک کر دیا اور بعض نے اس کو پورا کر دیا، (کیونکہ اس قسم کے مواقع پر یوں ہی بولا جاتا ہے کہ چالیس سال، یوں نہیں کہا جاتا ہے کہ چالیس سال اور اس قدر ماہ اور دن کم یا زیادہ)

چاہ زمزم کا ذکر :- زمزم کا وہ کنواں جس کو ترپتے ہوئے اسماعیل کی ننھی ننھی ٹھوکروں نے ظاہر کیا تھا، مرور زمانہ کی وجہ سے مندرس (ناپید) ہو گیا تھا، عبدالمطلب کے ہاتھوں سے پھر ظاہر ہوا، جب تک عبدالمطلب اس کی کھدائی کرتے رہے، اہل مکہ یا ان پر ہنستے تھے یا حرمت کرتے تھے، لیکن جب پانی کا کنواں (اور وہ بھی بیٹھے پانی کا حجاز میں نایاب تھا) برآمد ہوا تو ملکیت کی یا شرکت کی بحث شروع ہو گئی، عبدالمطلب اس جماعت کا جو کہ اپنی ہی تھی قوت کے ساتھ مقابلہ نہ کر سکتے تھے، بالآخر ایک کاہن پر فیصلہ موقوف رکھا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ چاہ زمزم ”حق بمقدار رسید“ کے طور پر عبدالمطلب ہی کو ملا۔

عبداللہ کی قربانی :- عبدالمطلب کو اب محسوس ہوا کہ سیادت کے لئے صرف حسن اخلاق ہی کافی نہیں بلکہ قوت کی بھی ضرورت ہے تو نذر کر لی کہ اگر میری صلب سے دس لڑکے پیدا ہوں، تو جب جوان ہو کر میری امداد کے قابل ہوں گے تو میں ان میں سے ایک کو خدا کے نام پر خانہ کعبہ کے سامنے ذبح کروں گا، (یعنی اس کی قربانی کروں گا)

شائد یہ نذر قابل تعجب ہو کیونکہ باپ اولاد کی تمنا کرے، اولاد پیدا ہو، سالہا سال تک اس کی پرورش کی مصیبتیں اٹھائی جاویں اور جب اس حد کو پہنچے کہ قوت بازو بنے، دشمنوں کی مداخلت کرے تو ذبح کرنے کی ٹھان لی جاوے، یہ صحیح کہ عبدالمطلب کے لئے کوئی آسمانی کتاب نہ تھی، کسی صحیح راہب کے پابند نہ تھے، جس کی پابندی میں ایسی مضحکہ انگیز خارج از عقل نذر نہ کرتے، لیکن اگر یہ بھی خیال میں رہے کہ انسان جب سلاوی دین کا پابند نہ ہو، خداوندی شمع (آسمانی مذہب) اُس کے سامنے نہ ہو تو وہ اسی طرح کی خارج از عقل اور بعید از فطرت حرکتیں کرتا ہی ہے، پتھروں کو پوجتا ہی کوئی عقل کے موافق ہے، ان کے ساتھ سچے معبود کا معاملہ کرنا ہی کب موافق عقل و دانش ہے، لیکن جب صراطِ مستقیم سامنے نہیں ہے تو گم شدہ بھیڑ، اور آوارہ بکری کی طرح مارے مارے پھرنے کے سوا چارہ کار ہی نہیں۔

اُن لوگوں پر کیا تعجب کیا جاوے جو اندھیرے ہی میں پیدا ہوئے تھے، تعجب تو اُن پر ہونا ضروری ہے جو کہ آفتاب کی ضوفشانی کے بعد بھی اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتے ہیں، سیدھے اور ہموار راستے کے ہوتے ہوئے بھی عمیق گڑھوں میں گرتے اور ہلاک ہوتے ہیں،

ٹھنڈی اور میٹھی آبشار کے ہوتے ہوئے بھی پیاسا رہنا پسند کرتے ہیں۔ یہ دریافت کرنے کی چیز نہیں کہ ایسے لوگ کون ہیں؟ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، رات دن ہم ان کو دیکھتے اور ان کی بے عقلی، بد دینی سے لرزہ بر اندام ہوتے ہیں، اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، ہر خیر و شر کی تفسیر اور تفصیل ان کے سامنے ہے مگر قبروں کو سجدے یہ کریں، غیر اللہ کے نام کی نذر یہ کریں نام نہاد پیروں کو سجدے یہ کریں۔ ان کی جوان جوان لڑکیاں، بی بیایں ان اہلیس صفت مشائخ کے سامنے آویں، ان کے پیر و بایں تعزوں کی پرستش کرتے ہوئے ان کو دیکھو۔

میں نے بریلی کی جامع مسجد میں دیکھا کہ مغرب کی نماز کے بعد چند نمازی مسجد کی جنوبی جانب چلے، جہاں ایک مزار پختہ بنا ہوا تھا، اور جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے تھے، اس طرح اس پختہ قبر کے سامنے کھڑے ہوئے۔ اس قدر فرق تھا کہ وہاں کا قیام طویل نہ تھا، نہ خاشعانہ، خاضعانہ، ہیئت تھی، یہاں قیام بھی طویل، چہرے سے خشوع اور خضوع کے آثار بھی ظاہر نہیں حیرت سے اس ادا کو دیکھتا رہا، جب وہ دیر کے بعد وہاں سے فارغ ہوئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابھی تو آپ نے چند رکعتوں میں بار بار **يَا كَافِرُ** کہا، **يَا كَافِرُ** (یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) کہتے ہوئے خدا کے سامنے ہاتھ باندھے تھے مگر بغیر کسی تاخیر کے وہی ہاتھ جو خدا کے سامنے باندھے گئے تھے ایک قبر کے سامنے باندھے کر اپنے قول و عمل دونوں کے خلاف کر دکھایا۔

اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شاید مجھ کو چٹ جاتا، وہابی کہہ کر گالیاں دیتا، مگر پچارے سنجیدہ آدمی معلوم ہوتے تھے، دیر تک میری گزارش کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے اور جب سمجھ گئے تو غور کرنے کا وعدہ کیا۔

مختصر یہ کہ جب ہم اسلام کی روشن مشعل ہاتھ میں لیکر بھی جانوروں کی طرح بے عقلی کرتے رہتے ہیں تو ہم کو عبدالمطلب کی اس نذر پر متعجب نہ ہونا چاہیے۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے (۱) حارث (۲) زبیر (۳) جحل (۴) ضرار (۵) مقوم (۶) ابولسب (۷) عباس (۸) حمزہ (۹) ابوطالب (۱۰) عبد اللہ۔ ہوئے اور پروان چڑھے۔

عرب کے لوگ صادق القول ہوتے تھے، خصوصاً نذر کے بارے میں تو ان کے لئے خود کشی سہل تھی مگر نذر کو پورا نہ کرنا دشوار تھا۔

عبدالطلب نے سب بیٹوں کو جمع کیا، اور ان سے اپنی نذر بیان کی، سعادتمند بیٹوں نے نذر کو سن کر سر جھکا دیا، اور کہا کہ آپ ہم میں سے جس کی قربانی کر کے نذر کو پورا کرنا چاہیں وہ حاضر ہے، چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی اور قرعہ میں عبداللہ کا نام نکلا۔

عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے کم عمر تھے، اور کچھ ایسے خصائص رکھتے تھے کہ نہ صرف باپ (عبدالطلب) کو ان سے زیادہ محبت تھی بلکہ تمام خاندان کے محبوب تھے۔

عبدالطلب نے بلاتامل عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور اسراف و نالکہ (دوبت ہیں) کی درمیانی جگہ میں ان کو لائے تیز چھری ہاتھ میں، سینے پر سوار ہو کر ذبح کرنا ہی چاہتے تھے کہ چاروں طرف سے قریش کے لوگ ٹوٹ پڑے، ہاتھ سے چھری چھین لی، اور کہا کہ جب تک یقین کے ساتھ ان کی قربانی کا حکم نہ ہو ان کو ذبح نہ کرو، آج اگر تم نے ان کو ذبح کر دیا تو ایک نقصان تو یہ ہو گا کہ خاندان کا محبوب جگر بند ان کے ہاتھوں سے نکل جاویگا، دوسرا نقصان یہ ہو گا کہ بیٹے کو ذبح کرنے کی رسم عام ہو جاویگی، ہر شخص بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر کر لیا کریگا، تاکہ تمہاری مساوات حاصل کر سکے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عبدالطلب کے نیچے سے بھائی (عبداللہ) کو گھسیٹ لیا جب کہ وہ سینے پر ذبح کرنے کے لئے چڑھ چکے تھے، اور اسی گھسیٹنے کا نشان عبداللہ کے سر میں تاوفات باقی رہا۔ عبدالطلب کے لئے اب مشکل تھی، نہ تو وہ اپنی نذر ہی کے خلاف کر سکتے تھے، نہ خاندان کی مخالفت ہو سکتی تھی، بالآخر ایک مشہور کاہن کی رائے سے یہ طے ہوا کہ دس اونٹ اور عبداللہ میں قرعہ اندازی کی جاوے، اگر عبداللہ کا نام نکلے تو پھر دس اونٹوں میں اضافہ کر کے قرعہ اندازی کی جاوے، اگر پھر بھی عبداللہ کا نام نکلے تو پھر دس اونٹوں کا اضافہ کر کے قرعہ اندازی کی جاوے اور جب تک کہ اس قرعہ اندازی میں اونٹوں کا نام نہ آ جاوے، دس دس اونٹوں کا اضافہ کیا جاتا رہے۔

چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور سوا اونٹوں کے بعد اونٹوں کا نام قرعہ میں آیا عبدالطلب قبل کے پاس کھڑے ہوئے دعا مانگ رہے تھے، کہ قرعہ اندازی کرنے والوں نے خوشخبری سنائی کہ تلو

اونٹ کی قربانی منظور ہو گئی۔ عبدالمطلب نے کہا کہ اتفاقیہ طور اونٹوں کی صورت ہو گئی ہوگی۔ میں جب تک یقین نہ کروں گا کہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی جاوے اور ہر بار اونٹوں کا نام نکلے، چنانچہ یہی کیا گیا اور ہر مرتبہ اونٹوں ہی کی مقدار مذکور برآمد ہوئی، تو تیسرا اونٹ ذبح کر دیئے گئے۔ اور اعلان عام کر دیا گیا کہ جس کا دل چاہے ان کا گوشت کھاوے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا اَنَا ابْنُ الذَّيْطِیْنِ (میرے سلسلہ نسب میں دو شخصوں کی قربانی ہوئی ہے) اس کا مطلب یہی ہے کہ اول ذبیح (علی التحقیق) اسماعیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، دوسرے ذبیح عبد اللہ بن عبدالمطلب ہیں۔

آپ کے والد کی شادی اور وفات :- عبد اللہ کا نکاح ایک خاندانی شریف زادی آمنہ بنت وہب سے ہوا، اس نکاح کے بعد عبد اللہ شام کے ایک شہر غزہ نامی کی جانب بغرض تجارت گئے، اور تاجر بھی ہمراہ تھے واپسی سب کی مدینے کی جانب سے ہوئی تو چونکہ عبد اللہ کی نامالی قربات اہل مدینہ سے تھی، اور سفر کی تکالیف نے ان کو بیمار کر دیا تھا، اس لئے انہوں نے رفقائے سفر سے کہا کہ تم مکے جاؤ، میں اپنے ماموں کے پاس رہوں گا، بعد صحت آ جاؤں گا، قافلہ مکہ پہنچا اور عبدالمطلب کو سخت جگر کی بیماری کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا کہ عبد اللہ کو ہمراہ لیکر آئیں، سعد تمند بیٹے نے سفر میں پوری جگت کی، مگر جس وقت پہنچے تو عبد اللہ کو دفن کیا جا چکا تھا، واپس آئے اور غمگین باپ کو سدا حال سنایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بطن مادر میں تھے، اور عبد اللہ کی عمر پچیس سال کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یتیمی :- ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد عبد اللہ کی وفات ہوئی ہے، اُن وقت کی عمر دو ماہ سے لیکر اٹھائیس ماہ تک بتائی گئی ہے ہمارے نزدیک قول محقق یہی ہے کہ عبد اللہ کی وفات آپ کی ولادت سے پہلے تھی۔

عمر مبارک چھ سال کی تھی کہ آپ کی والدہ نے وفات پائی، اس کے بعد آپ اپنے دادا عبدالمطلب

کے زیر نگرانی رہے، آٹھ سال کی عمر ہوئی کہ عبدالمطلب بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔

خدیجہ سے نکاح:- آپ کی عمر پچیس سال کی تھی کہ آپ کا نکل حضرت خدیجہ بنت خویلد سے ہوا، آپ کی تمام اولاد (لڑکے ہوں یا لڑکیاں) حضرت خدیجہ سے ہوئی۔ اور کسی بی بی سے کوئی اولاد آپ کی نہیں ہوئی ہاں ان میں سے ابراہیم نامی صاحبزادے ایسے ہیں جو حضرت خدیجہ کے بطن سے نہیں ہیں۔

اولاد کی مختصر تفصیل:- ابراہیم کے سوا بقیہ لڑکوں کے نام یہ تھے (۱) قاسم، انہیں کی نسبت سے آپ کو ابو القاسم کہا جاتا ہے (۲) طیب (۳) طاہر، عمروں کا تفاوت بھی اسی ترتیب سے ہے کہ ان سب میں بڑے قاسم ہیں اُن سے چھوٹے طیب، اُن سے چھوٹے طاہر۔ صاحبزادیوں کی تفصیل یہ ہے کہ (۱) رقیہ (۲) زینب (۳) ام کلثوم (۴) فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہن اجمعین۔

صاحبزادے تو بعثت سے قبل ہی وفات پا چکے تھے مگر صاحبزادیوں کو آپ کی بعثت کا زمانہ بھی حاصل ہوا تھا۔ اور سب آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی طرح تارک مکہ ہو کر مدینہ پہنچیں۔ ابراہیم ہادیہ نامی جاریہ سے پیدا ہوئے جس کو سلطان اسکندریہ نے بطور ہدیہ کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

یہ حالات ہمارے موضوع سے اگرچہ خارج تھے مگر ہم نے ان کا ذکر تیر کا ضروری سمجھا۔ اب ہم اس وقت کا ذکر کرتے ہیں جب کہ آپ خلعت نبوت سے اس دنیا میں سرفراز ہوئے۔

بعثت:- اس بارے میں حضرات علماء کے اقوال مختلف ہیں ہمارے نزدیک معتمد قول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جس کو امام احمد نے الفاظ ذیل سے نقل کیا ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعِينَ سَنَةً لَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً وَبِالْمَدِينَةِ عَشَرَ سِنِينَ وَهُوَ ثَلَاثٌ وَسِتِّينَ سَنَةً

ترجمہ:- یعنی آپ کی بعثت و نزول قرآن چالیس سالہ عمر میں ہوا۔ آپ اس کے بعد مکہ میں تیرہ سال تک مقیم رہے پھر مدینہ میں دس سال تک اقامت فرمائی۔ اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۴ ج ۳)

نزول وحی:- وحی خداوندی دربار خداوندی کا پیام ہے جو اُس کے رسولوں تک پہنچایا جاتا ہے، ہم طبقہ سفلی کے انسان تو کیا سمجھ سکیں اور کیا بتا سکیں کہ وحی کی حقیقت کیا ہے کیونکہ ہماری بصر اور بصیرت دونوں ہی محدود ہیں شائد وہ مقرران بارگاہ بھی ہم کو صحیح طور پر نہ سمجھا سکیں جو کہ شرف وحی سے مشرف ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوالات کئے گئے تو آپ نے ”کَلِمَ النَّاسِ عَلَى قَدَرِ عَقُولِهِمْ“ (یعنی لوگوں سے ان کی عقلوں کے بقدر بات کرو۔) کے مطابق حسی مثالیں دے کر سمجھانے کی سعی فرمائی لیکن ظاہر ہے کہ مخاطب ہی میں سمجھنے کی اہلیت نہ ہو تو متکلم اپنی قوت گویائی سے کیونکر کام لے سکتا ہے۔

اس لئے ہم اس بحث کو تو بالکل ہی ترک کر رہے ہیں۔ کسی درجہ میں یہ چیز قابل بیان ہے کہ نزول وحی کے وقت آپ کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟

اور اس بحث کا استیعاب واستقصاء بھی شائد ہم سے نہ ہو سکے لیکن ”لَا يَذْرُؤُكَ كَلَمٌ وَلَا يَمْرُؤُكَ كَلَمٌ“ (یعنی جو چیز تمام حاصل نہ ہو تو اس چیز کو چھوڑا بھی نہ جائے۔) نے اس پر آمادہ کیا ہے کہ کچھ تھوڑا سا ذکر کر دیا جاوے، اور اسی لئے ”شے نمونہ از خردارے“ کے مطابق ہم صرف چند حدیثوں کے نقل پر اکتفا مناسب سمجھتے ہیں۔

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ كَرِهَ ذَلِكَ وَتَوَلَّى وَجْهَهُ وَفِي رِوَايَةٍ وَغَمَضَ عَيْنَيْهِ (صحیح مسلم شریف وغیرہ)

ترجمہ:- عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ پر اس کی بہت شدت ہوتی تھی، اور چہرہ مبارک کارنگ فق ہو جاتا تھا، اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ آپ اپنی مبارک آنکھوں کو بند کر لیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(قال زيد بن ثابت) حِينَ نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِلُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَلَمَّا شَكَى ابْنُ أُمِّ

مَكْتُومَ هَرَاوَهَ نَزَلَتْ غَيْرُ أُولَى الْقُرْبَرِ قَالَ وَكَانَتْ فَخِذُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى فُخْدِي وَأَنَا أَكْتُبُ فَلَمَّا نَزَلَ الْوَحْيُ كَانَتْ فَخِذُهُ تَرُفُّسُ فَخِذِي

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہ آیت نازل ہوئی جس میں بتایا گیا ہے کہ بوقت حجاز جان و مال کو جنگ کفار میں لگا دینے والے ان لوگوں سے بہت متفاوت ہیں جو کہ جنگ میں شریک ہی نہیں ہوتے ہیں۔ عبد اللہ ابن ام مکتوم (ناپیدا) تشریف لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت میں تو ہم جیسے معذور بہت بڑی اخروی دولت سے محروم رہے تو اس میں بذریعہ وحی کے اس قدر اضافہ اور کیا گیا کہ ”غیر اُولی الْقُرْبَرِ“ (یعنی عذر والوں کے علاوہ) اور میری ران پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سارے لگی ہوئی تھی اور میں وحی کو لکھ رہا تھا ان چند کلمات کے نزول کے وقت میری یہ حالت ہوئی کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ران مبارک کی وجہ سے میری ران ریزہ ریزہ ہو جاوے گی (صحیحین)

قال الامام (بسندہ) عن اسماء بنت يزيد قالت: إني لأخِذَةُ بِرِجَامِ الْعُصْبَاءِ نَافَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْمَالِدَةُ كُلُّهَا وَكَادَتْ مِنْ ثِقَلِهَا تَدُقُّ عَضْدَ النَّافَةِ

اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافہ کی مدار پکڑے ہوئی تھی کہ یکایک سورہ مائدہ کا نزول شروع ہو گیا۔ اس کا بار اونٹنی پر اس قدر ہو گیا کہ قریب تھا کہ اُس کا بازو ٹوٹ جاوے گا۔ (امام احمد)

ان چند نمونوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے وقت کیسی شدت ہوتی تھی۔

سب سے پہلا مسلمان :- اب یہ قابل عرض ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے دولت اسلام سے اول کون مالا مال ہوا؟ علماء اس بارے میں مختلف اللسان والا قول ہیں۔ ہم نے اپنے اکابر سے بھی سنا ہے اور محققین امت کا قول بھی ہے کہ:

وَالْجَمْعُ بَيْنَ الْأَقْوَالِ كُلِّهَا أَنَّ خَدِجَةَ أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ النِّسَاءِ وَقَبِيلَ الرِّجَالِ أَبُهَا. وَ

أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ الْمَوَالِي زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ. وَأَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ الْعِلَّانِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَإِنَّهُ كَانَ صَغِيرًا ذَوْنَ الْبُلُوغِ. وَأَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ الْأَحْرَارِ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ

ترجمہ:- ان تمام مختلف اقوال کو ایک حمل پر اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام عورتوں میں (بلکہ بعض نے کہا ہے کہ سب مردوں سے بھی پہلے) سب سے پہلے مسلمان ہوئیں، اور آزاد کئے ہوئے غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ مشرف باسلام ہوئے، اور نو عمر لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب مسلمان ہوئے، کیونکہ ان کی عمر بوقت اسلام کچھ بھی ہو مگر تحقق یہی ہے کہ آپ بوقت اسلام نابالغ تھے، اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والے ابو بکر صدیق تھے (البدایہ والنہایہ ص ۷۹ ج ۳)
اقوال متعارضہ میں اس سے عمدہ تطبیق دشوار ہے، بعض علمی مجالس میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی جواب نقل کیا گیا ہے۔

صدیق اکبرؓ کا اسلام:- صدیق اکبر کا اسلام خواص و عوام سب میں زبان زد ہے، ہم اس کا ذکر بھی بطور تبرک کے سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتحيات کے الفاظ میں کرتے ہیں۔

مَا دَعَوْتُ أَحَدًا إِلَى الْإِسْلَامِ إِلَّا كَانَتْ عِنْدَهُ كِبَرَةٌ وَ تَرَدُّدٌ وَ نَظَرٌ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ. مَا عَكَمَ حِينَ ذَكَرْتَهُ وَ لَا تَرَدَّدَ فِيهِ

ترجمہ:- میں نے کسی سے مسلمان ہونے کے لئے نہیں کہا کہ اس نے میرے کہنے کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا ہو اور فوراً مان لیا ہو، بجز ابو بکر کے کہ جس وقت میں نے ان سے کہا وہ اسی وقت بغیر تردد کے مسلمان ہو گئے (البدایہ والنہایہ ص ۷۷ ج ۳)

اسلام سے قبل ابو بکر کا کفار قریش میں کیا دورہ تھا؟ اس کا جواب (البدایہ والنہایہ ص ۲۱ ج ۳) بطور ذیل میں ملے گا۔

وَ كَانَ أَبُو بَكْرٍ رَجُلًا مَالِيًا لِقَوْمِهِ حَبْتًا سَهْلًا. وَ كَانَ أَنْسَبَ قُرَيْشٍ لِقُرَيْشٍ وَ أَعْلَمُ قُرَيْشٍ بِمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خَيْرٍ وَ شَرٍّ. وَ كَانَ رَجُلًا نَاجِرًا ذَا خَلْقٍ وَ مَوَدَّةٍ. وَ كَانَ رَجُلًا قَوْمِيَّةً يَأْتُونَهُ

وَيَا لِقُونَهُ لِقَاءٍ وَاحِدٍ مِّنَ الْأَمْرِ لِعِلْمِهِ وَبِحَارَاتِهِ وَحُسْنِ مُجَالَسَتِهِ

ترجمہ:- ابو بکر سے اُن کی ساری قوم کو الفت تھی اُن کو اپنی قوم سے محبت تھی، وہ سخت گیر نہ تھے۔ قریش کے انساب سے اور اُن کے چھوٹے بڑے اچھے اور برے واقعات سے سب سے زیادہ باخبر تھے۔

وہ صاحب اخلاق اور بھلائی والے مشہور سوداگر تھے، اُن کی قوم کے لوگ اُن کے پاس آتے رہتے تھے اور بہت سے امور کی بناء پر اُن سے محبت کرتے تھے، مثلاً یہ کہ وہ عالم تھے، سوداگر تھے، اُن کے پاس بیٹھنے والے اُن سے خوش رہتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ:- صدیق اکبر نے مسلمان ہو کر اپنے وقت کو ضائع نہ کیا بلکہ اپنے دوستوں میں جس کی نسبت خیال ہوا کہ اس کو اچھے اور برے میں تمیز کرنے کا مادہ خدا نے دیا ہے اُسی کے لئے مشعل راہ بن گئے، اُن کی اس سادہ مگر بے لوث تبلیغ سے حضرات ذیل شرف باسلام ہوئے۔

(۱) زبیر بن العوام (۲) عثمان بن عفان (۳) طلحہ بن عبید اللہ (۴) سعد بن ابی وقاص (۵) عبدالرحمن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرت طلحہؓ کا اسلام:- طلحہ کے اسلام کے متعلق واقدی کی ایک روایت قابل ذکر ہے کہ بصری میں ایک عظیم الشان بازار لگا کرتا تھا اطراف و جوانب سے تجلہ بھی آتے تھے، اور چونکہ لوگوں کو معلوم تھا کہ اس بازار میں اطراف و اکناف کے سوداگر آتے ہیں، اور اپنے اپنے شہروں سے انواع و اقسام کی چیزیں لاتے ہیں اور ارزاں قیمت پر فروخت کرتے ہیں اس لئے چاروں طرف سے خریدار بھی جمع ہو جاتے تھے، بہت سے لوگ بغرض سیر و تفریح شریک ہوتے تھے۔

طلحہ بھی جا پہنچے، سیر کرتے ہوئے ایک بڑے گر جا کی طرف سے ہو کر گزرے تو دیکھا کہ ایک تارک الدنیا پادری بیٹھا ہوا اپنے خادموں سے کہہ رہا ہے کہ اس بازار کے مجمع میں جا کر یہ

طلیحہ: کون احمد؟

www.facebook.com/2l.acbooks

آدمی ہیں۔ وقت ہے کہ ہم علی الاعلان احکام خداوندی کی تبلیغ کریں۔ اور حرم کعبہ میں نماز پڑھیں۔ اقلیت کی بنا پر حضور کو تامل تھا، مگر جاں نثار کا اصرار رد نہ کیا جاسکا۔ مسلمان حرم میں داخل ہوئے تو اس طرح کہ کوئی ادھر سے اور کوئی اُدھر سے، اور مسجد حرام میں پہنچ کر ہر شخص اپنی اپنی قوم میں جا بیٹھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوئے۔ تو صدیق اکبر نے کھڑے ہو کر حمد و ثناء کے بعد تقریر شروع کی بت پرستی کے تار و پود بکھیر دیئے اور توحید کے دلائل بیان کئے آیات قرآنیہ یہ کہہ کر سنائیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

مشرکین کا رد عمل :- کفار قریش کے غصہ کی کوئی حد نہ تھی، کہ ایک شخص ان کے آبائی مذہب کی اس طرح کھلے بندوں توہین کر رہا ہے، حاضرین حرم میں جس جن لوگوں کی نسبت یقین تھا کہ یہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں وہ تو اپنی اپنی جگہ پر مضروب یا مجروح ہوئے، بعض اس وجہ سے محفوظ رہے کہ ان کی برادری نے ان کو بچالیا بعض اس لئے بچ گئے کہ ان کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہوا تھا لیکن صدیق اکبر کی مظلومیت کی حد نہ تھی، جو چیز جس کے ہاتھ آئی اس کے ذریعہ سے ابو بکر کو مارا، پیروں سے روندنا گیا، قریش کے مشہور سردار عتبہ بن ربیعہ نے جو توں سے مارا، اور اس قدر مارا کہ چہرہ بگڑ گیا۔

ابو بکر بنی تیم کے خاندان میں سے تھے، اس خاندان کو خبر ہوئی تو قومی حمیت کی بنا پر دوڑے ہوئے آئے، مشرکین کو ان سے جدا کیا، اور ابو بکر کو مردوں کی طرح اٹھا کر لائے، جب اس قدر حالت زار دیکھی اور یقین ہو گیا کہ ان کی زندگی ناممکن ہے تو یہ لوگ مسجد حرام میں واپس آئے اور باوازا بلند اعلان کیا کہ اگر ابو بکر مر گئے تو ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ان کے عوض میں عتبہ بن ربیعہ کو ضرور بالضرور جان سے مار دیں گے، یہ قسم معمولی قسم نہ تھی، بنی تیم مکہ میں معمولی خاندان نہ تھا، اس خاندان کی شرافت و سیادت تو مسلم ہی تھی، اس امر کا تجربہ بھی بارہا کیا جا چکا تھا کہ جب ان میں سے کسی ایک کی زبان سے کوئی بات نکل گئی تو سارے قبیلے نے اس کی ہم نوائی کی اور کہے ہوئے کو کر کے دکھایا، اس بناء پر اس قسم کا چرچا گھر گھر ہو گیا۔

اس اعلان کے بعد واپس ہوئے، ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس ان کے بوڑھے باپ ابو

قافہ بیٹھے ہوئے تھے۔ بار بار پکارتے تھے مگر ابو بکر بیہوش تھے۔ اس لئے جواب نہ دے سکتے تھے۔

حضرت ابو بکر کی حضورؐ سے محبت :- غروب آفتاب کے قریب ہوش آیا تو سب سے پہلے یہی دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ حاضرین کو حیرت ہو گئی کہ ایسا شخص جو زخموں سے نڈھال ہے۔ ہوش آتے ہی اپنے آقا کا حال دریافت کرتا ہے۔ مگر چونکہ حضور کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ تھا اس لئے اس کا جواب نہ دیا جاسکا۔

اب اطمینان ہو گیا تھا کہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) زندہ ہیں۔ اس لئے خاندان کے تمام لوگ واپس آ گئے۔ صرف اُن کی والدہ اُن کے پاس رہ گئیں۔ ان کا نام ام خیر تھا۔ اُن سے تاکید کہہ دیا گیا کہ اب ہم لوگ جا رہے ہیں۔ انہوں نے آج دن بھر کچھ نہ کھایا ہے نہ پیا ہے۔ اگر ہو سکے تو کچھ نہ کچھ کھلا پلا دینا۔

اب ماں اور بیٹے تھکتے۔ ماں کا اصرار تھا کہ کچھ کھاؤ مگر بیٹے کا یہ حال کہ ہر کروٹ پر حضور کا نام اور خیریت معلوم کرنے کا اشتیاق تھا۔ بالآخر ماں نے مجبور ہو کر بقسم بیان کیا کہ مجھ کو ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہے۔ صدیق اکبر نے فرمایا کہ آپ امّ جمیل بنت خطاب کے پاس تشریف لیجاویں! ان کو حالات ضرور معلوم ہوں گے۔ اس لئے وہ بتا دیں گی۔ والدہ کو کوئی تعلق حضور سے نہ تھا۔ ان کی طرف سے کوئی مرے یا زندہ رہے مگر ان کا بیٹا بچ جاوے۔ اس لئے ان کو ضرورت نہ تھی کہ حضور کا حال دریافت کر کے کفار قریش کی نظروں میں اپنے آپ کو مشتبہ کریں۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کو اس میں تامل تھا۔ لیکن بیٹے کی محبت نے مجبور کیا کہ حالات دریافت کریں۔ بالآخر امّ جمیل کے پاس تشریف لائیں۔ اور کہا کہ ابو بکر نے مجھ کو تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تم سے محمد بن عبد اللہ کے حالات معلوم کروں۔ انہوں نے اب تک نہ ایک نوالہ کھایا نہ ایک گھونٹ پانی پیا ہے۔ تم بتا دو گی تو وہ کھاپی لیں گے۔

امّ جمیل بھی امّ جمیل ہی تھیں۔ کھشک گئیں کہ آج قریش کو اشتعال زیادہ ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس دعوت توحید میں کون کون شریک ہے تاکہ سب کا قلع قمع کر دیں اور اس

درخت کی جڑیں مضبوط نہ ہو سکیں، اس لئے جواب میں فرمایا کہ نہ میں ابو بکر کو جانوں، نہ محمد بن عبد اللہ کو پیچاؤں، ہاں، مجھ کو تمہارے ساتھ ہمدردی ضرور ہے کہ تمہارے بیٹے آج زیادہ مجروح ہوئے ہیں، اگر تم کو تو میں تمہارے ساتھ چلوں، ان کی تیمارداری کروں، اور سمجھاؤں، شاید کچھ کھالیں۔

ام خیر بھی ایسی بچی نہ تھی کہ ام جمیل کے اس صاف انکار کی غایت کو نہ سمجھتیں، اس لئے انہوں نے اس کو منظور کر لیا کہ ام جمیل بغرض تیمارداری ابو بکر کے پاس چلیں، ام جمیل، ابو بکر کے پاس آئیں تو ابو بکر کو زخموں سے نڈھال دیکھا، دیکھ کر دل بھر آیا، اور بے اختیار ہی کی حالت میں زبان سے نکلا کہ جن بد بختوں نے تمہارے ساتھ درازی کی ہے وہ بڑے ہی خبیث ہیں، قادر مطلق ان کو پوری سزا دے گا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ام جمیل کو سامنے کھڑے ہوئے دیکھا تو فوراً فرمایا کہ ام جمیل! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حالت میں ہیں؟ ام جمیل نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور باہستگی کہا کہ کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ تمہاری ماں قریب میں ہیں، تمہاری ماں ہیں تو ہوا کریں مگر ہیں تو انہیں ظالموں کے خیالات کی، اگر انہوں نے میرا نام کسی پر ظاہر کر دیا تو میرا سارا گھر تباہ ہو جاوے گا، صدیق اکبر بول نہ سکتے تھے، اشارے سے اطمینان دلایا کہ اگرچہ ماں دوسرے خیالات کی ہیں مگر میری محبت کی وجہ سے مجبور ہیں، تمہارا نام کسی پر ظاہر نہ کریں گی، ام جمیل کو اس سے اطمینان ہوا تو دبی زبان سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں، دریافت کیا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ ام جمیل نے کہا کہ ارقم کے گھر میں ہیں۔

اس خبر کو سن کر صدیق اکبر کے چہرے پر سہمی دھڑکنی، چہرے سے بشارت ظاہر ہونے لگی، اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے فرمایا کہ خدا کی قسم، پہلے میں سردار دو عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت سے مشرف ہوں گا اُس کے بعد کچھ کھاؤں گا، قسم کو سن کر ان کو یقین ہو گیا کہ اس قسم کا ٹوٹنا ممکن نہیں، چنانچہ جب اندھیرا ہو گیا تو دونوں سہرا دیکر حضور کی خدمت میں لائیں، مسلمانوں کی پریشان حال جماعت نے صدیق اکبر کو گھیر لیا، آپ نے اُن کو بوسہ دیا، اور ان کی اس حالت زار کو دیکھ کر آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

صدیق اکبر نے آپ کے اس تاثر کو محسوس کیا اور خداداد فراست سے معلوم کر لیا کہ اس

وقت جو کچھ بھی مانگا جاوے گا ملے گا، عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر میری جان، میرا مال سب قربان، آپ بالکل افسوس نہ کریں میرے چرے پر کچھ زخم زیادہ ہیں اور بس، آپ کے سامنے میری والدہ موجود ہیں، ان کو مجھ سے محبت ہے اور غیر معمولی محبت ہے، مجیب الدعوات آپ کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے، آپ ان کے لئے دعا فرمادیں کہ خداوند عالم ان کو اسلام کی دولت عطا فرمائے۔

صدیق اکبرؓ نے وقت کا انتخاب غلط نہیں کیا تھا، آپ نے اسی وقت دعا فرمائی، اسی وقت دعا قبول ہوئی، ام خیر اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔

یہ واقعہ ایک مختصر سا واقعہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ خلاف عقل بت پرستی کا ارتکاب ان کے اعماق عروق میں ایسا راسخ ہو گیا تھا کہ وہ اس کے خلاف کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور کی موجودگی میں تقریر کرنی تو بجائے خود بات کرنی آسان نہ تھی، زیادہ زور سے بول بھی نہ سکتے تھے، ان حالات کے ہوتے ہوئے ابو بکر کو کیا ہو گیا تھا کہ اس پر اصرار تھا کہ مسجد حرام میں پہنچ کر کلمہ توحید کا اعلان کیا جاوے، اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہ سب کو ساتھ لجا کر خود ہی تقریر شروع کر دی، فریضہ تبلیغ منصب رسالت کے ساتھ تھا، اس منصب پر فائز ہونے کا ان کو شوق کیوں ہو گیا تھا، یہ وہی ابو بکر ہیں کہ جب حضور کی عدم موجودگی میں نماز پڑھانی شروع کر دی ہے اور اثنائے صلوٰۃ میں حضور تشریف لے آئے ابو بکر نے دیکھ لیا کہ آپ تشریف لے آئے تو سہلے سے پیچھے ہٹ جانے کا ارادہ کیا، حضور نے اشارے سے منع فرمایا کہ تم پیچھے نہ ہٹو، مگر ابو بکر نے اس امر کا امتثال نہ کیا اور پیچھے ہٹ کر مقتدیوں کی صف میں کھڑے ہو گئے، حضور نے آگے بڑھ کر نماز پڑھانی بعد از نماز دریافت فرمایا کہ ابو بکر تم نے آج میری بات نہ مانی عرض کیا کہ ابو قحافہ (حضرت صدیق اکبر کے والد کا نام ہے) کالڑ کا اور آپ کی امامت کرے، کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔

اوسر تو اس ادب کا خیال کرو کہ امر نبوی کے باوجود امامت کی جگہ پر نہ ٹھہر سکے، دوسری جانب یہ دیکھو کہ خود حضور کو ہمراہ لیاویں اور آپ کی موجودگی میں تقریر شروع کر دیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

حقیقت یہ ہے کہ صدیق اکبر مزاج شناس تھے، وہ جاننے تھے کہ وحی کا نزول ہوتا رہتا ہے،

آپ تبلیغ کے مامور ہیں۔ یہ تبلیغ ایک نہ ایک دن ہو کر رہے گی، اور جس دن منظر عام پر ہوگی وہ دن نہایت سخت ہو گا اور مکہ کے باشندے اس کو سننے کی تاب نہ لاسکیں گے اور جو کچھ کر سکتے ہیں کر گزریں گے اس لئے

نہ لینا کوئی سودا مول بازار محبت کا اگر کچھ جان اپنی بیچ کر لیتے تو ہم لیتے کے موافق صدیق اکبر کو اپنی جاں نثاری کا پسلا عملی ثبوت دیتا تھا، اور جو کچھ سمجھتے تھے وہی ہوا۔ حضور کا فریضہ تبلیغ بھی ادا ہو گیا، مظالم بھی ہوئے اور فخر عالم اس سے محفوظ رہے۔ پھر اس محبت کی بھی کوئی حد کے کہ ہوش آتا ہے تو سب سے پہلے حضور کی خیریت معلوم کرنے کا شوق ہے۔ نہ زخموں کی فکر ہے نہ ظالموں کی شکایت، اگر ہے تو حضور کی جانب سے تشویش ہے، ام جیل سے بھی معلوم ہو گیا تو جب تک زیارت نہ کر لی چین نہ آیا، تو کیا اب بھی کہا جاسکتا ہے کہ ابو بکر اور ان جیسے دوسرے صحابہ

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَوَالِدَيْهِ وَنَاسِ أَجْمَعِينَ ترجمہ:- ”تم میں سے کسی کا ایمان اُس وقت تک کامل نہیں ہے جب تک کہ اُس کی محبت اپنی، اپنے باپ و اولاد کی اور تمام آدمیوں کی محبت سے زیادہ نہ ہو جاوے۔“ کے مصداق نہ تھے۔

اسلام کی تدریجی رفتار:- یہ وہ وقت تھا کہ اسلام کا نام لینا ہی جرم تھا۔ کھلم کھلا اسلام کے احکام بیان ہی نہ کئے جاسکتے تھے، فضائل اسلام، حقانیت اسلام کو سننے کے لئے کوئی طیار نہ تھا، مگر اسلام کی مقناطیسی کشش اپنا کام کر رہی تھی، اس کے حلقہ بگوش ہونے والے ناواقف نہ تھے کہ مسلمان ہو جانے کے بعد سلوک و احسانات کے تمام رشتے ٹوٹ جاویں گے، دوست و احباب بجائے خود عزیز و اقارب سے کسی قسم کی اچھی امید رکھنی حماقت ہوگی، اس سب کے باوجود صاف طبیعتیں سلیم عقلیں، مصائب کے ان تمام پہاڑوں کو برداشت کرنے کے لئے طیار رہتی تھیں اور کوئی آج حلقہ توحید میں داخل ہوا، کسی نے کل اصنام و اوثان کی خلاف عقل حکومت سے منہ موڑا، اس وقت مسلمان ہونا، آہلی رسوم کو ترک کرنا، ہر آسائش کو ترک کرنے اور ہر قسم کی مصیبت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان شہداء کے باوجود بھی ایسے لوگ تھے جو مسلمان ہونے کے بعد اسلام کو چھپانا پسند نہ کرتے تھے۔ اور اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے۔ ان میں پہلی جماعت ان حضرات پر مشتمل تھی۔ (۱) سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (۲) ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴) ان کی والدہ سمیہ (۵) صہیب (۶) بلال (۷) مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایمان لانے والوں کی حفاظت کے اسباب :- حقیقی حفاظت تو محافظ حقیقی ہی کی طرف سے ہوتی ہے مگر بظاہر اسباب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت (جو کچھ بھی تھی) اس لئے تھی کہ ابو طالب آپ کے لئے سینہ سپر تھے۔ ابو طالب غریب تھے تو ہوا کریں رو سائے عرب ان کی وجاہت کے معترف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کسی کی ہمت نہ تھی کہ اپنی من مانی اذیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا سکے۔ اور یہی وجہ تھی کہ عرصہ دراز تک مختلف مذاہب کے ساتھ اس کی کوشش کی گئی کہ ابو طالب حضور سے جدا ہو جائیں۔

بارہا ابو طالب کو سمجھایا گیا کہ تمہارا بھتیجانہ صرف یہ کہ آباؤ اجداد کے خداؤں کو برا کہتا ہے بلکہ عبدالطلب وغیرہ کو جنسی بھی کہتا ہے۔ ہم سب کو احمق کہتا ہے۔ حتیٰ کہ باپ دادا کو بھی نہیں چھوڑتا ہے۔ گھر گھر میں اختلاف پیدا کر دیا بعض مرتبہ ابو طالب نے آپ سے اس بارے میں نرمی کرنے کے متعلق کہا۔ مگر آپ نے احکام الہی کی تبلیغ میں ذرہ برابر تساہل گوارا نہ کیا۔ اور صفائی کے ساتھ انکار کر دیا۔ ان کے بعد صدیق اکبر تھے کہ یہ بھی اسلام اور احکام اسلامی کے انخفاء پر قادر نہ تھے۔

حقیقی محافظ تو خداوند عالم ہی ہے۔ لیکن بظاہر اسباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں کفار کی طرف سے جو کچھ بھی کی ہوئی وہ صرف اس وجہ سے ہوئی کہ ابو طالب آپ کے لئے سینہ سپر تھے۔ اور اس بارے میں یقیناً جامع ضدین تھے۔ کیونکہ خیالات، عقائد، وغیرہ میں تو کفار قریش کے ہم نوا تھے۔ مگر آپ کی حفاظت اس سے زیادہ کرتے تھے۔ جس قدر شیرنی اپنے بچے کی کرتی ہے۔

اسی طرح صدیق اکبر بھی اگر کچھ بچ سکے تو صرف اس وجہ سے کہ ان کا خاندان قبائل عرب

میں شریف خاندان تھا، اور صدیق اکبر اپنے خاندان میں ذی عزت تھے، خاندان والے اختلاف خیال کے باوجود صدیق اکبر کو چھوڑتے نہ تھے، اس لئے کفار قریش کو صدیق اکبر کے متعلق من مانی کارروائی کرنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔

صحابہ کا مشقت برداشت کرنا اور اسلام میں پہلا شہید:۔ ان دونوں کے ساتھ پانچ اور بھی تھے (۱) عمار (۲) ان کی والدہ سمیہ (۳) صہیب (۴) بلال (۵) مقداد ان پانچوں کا بظاہر اسباب کوئی سہرا نہ تھا، اس لئے ان کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جاتا تھا، چلچلاتی دھوپ، حجاز کی گرمی، دوپہر کے وقت لوہے کی زر ہیں، پنا کر آفتاب کے سامنے زمین پر لٹائے جاتے تھے، اور ایسی حالت میں جو کچھ مظالم ہو سکتے تھے، وہ توڑے جاتے تھے، ان مصائب سے تنگ آکر بجز حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقیہ چاروں کے بعض مرتبہ کفار نے جو کھلوانا چاہا وہ کہہ لیا اور جان بچائی لیکن بلال، بلال ہی تھے، بُری سے بُری اور بڑی سے بڑی تکلیفوں کے باوجود اتنا بھی نہ کرتے تھے کہ چپ ہی ہو جاویں، آواز بلند توحید کا اعلان کرتے تھے، اور اس وجہ سے اور زیادہ تکالیف پہنچائی جاتی تھی، عمار کی والدہ سمیہ شب و روز کی تکلیف برداشت کرتی تھیں لیکن جب اس پر بھی باز نہ آئیں تو ابو جہل نے اُن کے قلب (دل) میں نیزہ مارا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر گئیں، اور شدائے اسلام میں سب سے پہلے درجہ شہادت انہیں کو حاصل ہوا۔

لفظی تغیر:۔ عمار کی والدہ کی شہادت کے بارے میں اردو تراجم سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو جہل نے ان کی شرمگاہ کو نیزے سے مجروح کیا تھا، اور اس صدمہ میں ان کی شہادت ہوئی تھی۔ اگر کفار قریش کی عمومی اور ابو جہل کی خصوصی شقاوت پر نظر کی جاوے تو یہ بیان زیادہ مستبعد نہیں ہے مگر ہم نے اس واقعہ کو البدایہ والنہایہ سے لیا اور اس میں ہے۔

طَعَنُوا أَبُو جَهْلٍ بِحَرْبَتِي فَأَلْبَسَهَا - ابو جہل نے نیزے سے ان کے قلب کو مجروح کیا۔

اور ذمہ داران طباعت نے اس نسخہ کی تصحیح میں قابل تحسین سعی کی ہے، اس لئے اسی کو ترجیح دی ہے اور جن لوگوں نے شرمگاہ کے زخمی کئے جانے کے واقعہ کو بیان کیا ہے ان کے پیش نظر وہ نسخے

ہیں جن میں بچائے فی قلبہا کے فی قلبہا مقلوباً لکھا گیا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ ابتدائے زمانہ اسلام میں بعض حضرات نے قلبی اعتقاد کے بغیر صرف زبان سے کلمات کفر کے یا ان کی تصدیق کی، تو کیا ایسی تکلیفیں دی جاتی تھیں کہ یہ لوگ جان بچانے کی کوئی اور صورت ہی نہ دیکھتے تھے، تو فرمایا۔

نَعَمْ، وَ اللَّهُ إِنْ كَانُوا لَيَضْرِبُونَ أَحَدَهُمْ وَيَجْعَلُونَهُ وَيَطِشُونَهُ حَتَّى مَا يَقْلِبُوا أَنْ يَسْتَوِي جَالِسًا مِنْ شِدَّةِ الضَّرِّ الَّذِي بِهِ حَتَّى يُعْطِبَهُمْ مَا سَأَلُوهُ مِنَ الْفِتْنَةِ حَتَّى يَقُولُوا لَهُ اللَّاتُ وَالْأَزْيُ أَهَانٍ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَيَقُولُ نَعَمْ الْفِتْنَةُ مَا يَلْعَنُونَ مِنْ جَهْدِهِمْ

ترجمہ:- بے شک، خدا کی قسم، ان مسلمانوں میں سے جو ان کے بچے چڑھ جاتا تھا اُس کو اس قدر مارتے پیٹتے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے کہ وہ اچھی طرح سے سنبھل کر بیٹھ بھی نہ سکتا تھا، اور یہ مظالم اُس پر برابر توڑے جاتے تھے حتیٰ کہ جو کچھ یہ ظالم چاہتے تھے وہ یہ کہتے تھے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جب یہ لوگ کہتے تھے کہ خدا کے علاوہ، لات اور عزیٰ دونوں معبود ہیں؟ تو یہ مظلوم جان بچانے اور ناقابل برداشت تکالیف سے بچنے کے لئے ہاں کہہ دیتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۵۹ ج ۳)

ابو جہل کی مکاریاں:- ابو جہل کچی گولیاں کھیلا ہوا نہ تھا، وہ خدا کے رسول اور اُس کے دین کی قوت کو سمجھتا تھا، اور اسی لئے اُس کی پوری سعی یہ تھی کہ ہر رخت ابھی اکھاڑ دیا جاوے جب کہ بظاہر انگلیوں سے اکھاڑے جانے کے قابل ہے، اس میں اگر تھوپی ہی فرو گزاشت بھی ہوئی تو بات قابو سے باہر ہو جاوے گی، اسی لئے وہ اُن لوگوں کی فکر میں رہتا تھا جو کہ مسلمان ہو جاتے تھے یا ان پر مسلمان ہونے کا شک کیا جاتا تھا، جس شخص کی نسبت اس کو خبر ملتی تھی وہ معلوم کر تا تھا کہ یہ شخص کس قسم کا ہے، اور جس وضع کا ہوتا تھا اُس کو اُسی قسم کا خوف دلاتا تھا، مثلاً ایک شخص اپنی جماعت میں ذی عزت ہے، لوگ اُس کو وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اُس کی بات مانتے ہیں، اُس کے مشوروں کو اچھا سمجھتے ہیں تو اُس کے پاس جاتا اور کہتا کہ ہم کو تمہارے اسلام کا

پتہ لگ گیا ہے۔ لیکن یہ سوداستانہ پڑے گا ہم تمہارے خاندان کے ایک ایک فرد کو بتادیں گے۔ کہ تم احمق اور ناقابل عزت ہو۔ نہ تمہاری عقل صحیح ہے نہ فکر صائب ہے۔ اور جب تمہارے خاندان کے افراد تم کو ایسا سمجھنے لگیں گے تو تمہاری عزت خاک میں مل جاوے گی تمہارا خاندان عزت والا مشہور ہے کیوں اپنے خاندان کی عزت کو خاک میں ملاتے ہو۔

اگر کسی تجارت پیشہ کی طرف سے مسلمان ہو جانے کا اندیشہ ہوتا تھا تو اس کو بایکاک کی دھمکی دے کر تجارتی خسارہ یاد دلا کر تشویش پیدا کرتا تھا۔

اور اگر کوئی کمزور شخص ہوتا تھا تو اس کو مار پیٹ کر دھمکیوں سے مرعوب کر دینا آسان تھا۔

ولید بن مغیرہ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ولید۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور نے اس کو کلام الہی کی کچھ آیتیں سنائیں، کافر تھا، بیت پرست تھا، لیکن صاحب زبان تھا، کلام کی عظمت اور اس کے علو سے ناواقف نہ تھا، اس لئے متاثر ہوا۔

کسی نے ابو جہل کو خبر کر دی کہ ولید بھی ہاتھ سے نکلا، ایک ہی دفعہ میں قرآن کی آیتوں کے سننے سے اس پر کافی اثر ہو چکا، بس ایک آج کی کسر ہے، اگر ایک دفعہ زبان مبارک سے چند آیتیں اور سن لے گا تو کسی قسم کی پرواہ کے بغیر مسلمان ہو جاویگا۔

ابو جہل اس قسم کے واقعات سے ناواقف نہ تھا، وہ فوراً ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ ولید! مبارک ہو، آج سب نے مل کر تمہارے لئے چند جمع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، امید ہے کہ اچھی خاصی رقم جمع ہوگی اور تم کو مل جاوے گی، تم اپنی ضروریات سے نجات پاؤ گے ولید چندہ کا نام سن کر تو برافروختہ ہوا ہی تھا، یہ سن کر اور بھی مشتعل ہو گیا کہ مجھ کو محتاج سمجھ کر چندہ کیا جا رہا ہے، تیوری بدل کر بولا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ ابو جہل نے متانت کے ساتھ منہ بنا کر جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہوا، آخر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اسی لئے تو گئے تھے، پھر اگر خاندانی لوگوں نے یہ چاہا کہ تم ان سر پھرے ہوئے لوگوں کی طرح اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کو خیر یاد نہ کرو، اور خاندان ہی میں رہو اور تمہاری ضروریات کی کفالت ہو جاوے، آخر تم جو آباؤ اجداد کی عزت بیچنے پر تل گئے ہو تو اس کے سوا اور کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ تم کو افلاس نے مسلمانوں کی غلامی قبول کرنے پر قبول کیا ہے۔ ولید نے کہا کہ غلط اور بالکل غلط ہے، قریش کا

بچہ بچہ واقف ہے کہ جس قدر دولت میرے پاس ہے وہ کہیں زیادہ ہے، کوئی شخص ہے کہ اس میں میری مساوات کر سکے، ایسی صورت میں میں افلاس سے ڈر کر یا دولت کے لالچ کی وجہ سے اپنی ناک کٹوا سکتا ہوں، ابو جہل نے کہا کہ میں نے تو ان لوگوں سے یہی کہا تھا کہ ولید اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر پختگی کے ساتھ قائم ہے، اس کے لئے ناممکن ہے کہ اپنی عزت، اپنے باپ دادا کی عظمت کو اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا دے، مگر کیا کیا جاوے کہ لوگوں کے دل میں تمہارے وہاں جانے سے، قرآن سننے سے، چہرے پر تاثر کے آثار سے لوگوں نے اسی قسم کی چہ میگوئیاں شروع کر دی ہیں، اور تم جانتے ہو کہ جو بات مشہور ہو جاتی ہے اس کی تردید بہت دشوار ہوتی ہے۔ ولید یہ سن کر سکتے میں رہ گیا، اور کہنے لگا کہ میری بے عزتی تو خواہ مخواہ ہوئی، یہ تو بے پر کا کبوتر بن گیا، آخر اس کا علاج میرے پاس کیا ہے۔

ابو جہل دل میں خوش تھا کہ میرا جادو چل گیا، کہنے لگا کہ ابھی تک تو اس کی تردید اختیار میں ہے۔ ولید نے کہا کہ کیونکر؟ ابو جہل نے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں سب کو جمع کروں گا، آپ ان سب کے سامنے کچھ ایسے کلمات کہہ دیں جن سے وہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ ولید مسلمانوں سے بے تعلق ہے، اس کے بعد پھر کس کی مجال ہے جو آپ کی نسبت ایک لفظ بھی کہہ سکے، ولید نے کہا کہ یہ سہل ہے، مگر بد ظنی تو قرآن کی چند آیات سننے کی وجہ سے پیدا ہوئی، اس کے متعلق کیا کہوں؟ ابو جہل نے کہا کہ بے شک اس کے متعلق کہنا ضروری ہے، یہ کہہ دینا کہ شاعرانہ کلام ہے۔ ولید نے کہا کہ ایسی بات نہ کہی جاسکے نہ سننے والوں کے لئے ذہن نشین ہو سکے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی اس عمر میں سینکڑوں شاعروں کے مضامین سنے ہیں اس کلام کو شعر سے کوئی مشابہت ہی نہیں۔ ابو جہل نے کہا کہ اگر آپ انہیں خیالات میں رہے تو لوگوں کی یہ بد ظنی دور نہیں ہو سکتی ہے، ولید نے کہا کہ اچھا کچھ سوچ لینے دو، اس کے بعد کہوں گا، کیونکہ یہ کلام تو کچھ ایسا شیریں اور زود اثر ہے کہ سننے ہی میں نہیں آیا، ابو جہل نے کہا کہ تاخیر کی گنجائش نہیں، آپ خاندان کے بڑے شخص ہیں۔

بڑوں کی چھوٹی سی بات بھی بڑی ہوئی اور جلد مشہور ہو جاتی ہے، اور بات بھی بدنامی کی، بدنامی بھی آباؤ اجداد کے عز و شرف کی۔ ولید گھسبہ گیا اور سوچ کر کہا کہ اگرچہ میرا دل تو قبول نہیں کرتا مگر یہ کہہ دینا کہ یہ کلام ساحرانہ ہے۔ ابو جہل نے کہا کہ صحیح ہے۔ یہ کہہ دینا کافی ہو جاوے گا چنانچہ یہی ہوا۔

کہ خاندان کے سربراہ آورده لوگوں کے سامنے ولید نے یہی کہا، اور اس طرح اسلام سے محروم رہا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۶۱، ج ۳)

ولید نے یہ جو کچھ کیا اور کہا وہ درحقیقت عزت کے بت کی پرستش تھی، ابو جہل کی تقریر نے اس کو مسکور کر دیا تھا اور وہ سمجھ گیا تھا کہ عزت پر حرف آ جاوے گا، اور جو کچھ کہا اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف کہا، مگر اس ناپسندیدگی کے باوجود اس گناہ کا اثر یہ ہوا کہ اس کے دل میں بھی یہی خیال راسخ ہو گیا کہ اسلام کی مخالفت پوری قوت کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے۔

اعمال کا آپس میں تعلق :- علما کی یہ رائے غلط نہیں ہے کہ جس طرح محاسن اور مامورات ایک سلسلہ میں منسلک ہیں اسی طرح قبائح اور منہیات میں بھی ایک قوی رشتہ ہے، یعنی دونوں میں متعاطیسی طریقے پر قوت جاذبہ ہے۔

تجربہ شہد ہے کہ انسان جب کسی ایک اچھے کام کو کرتا ہے تو اس کے دل میں اس سے آگے بڑھ کر دوسرے نیک کام کا ارادہ پیدا ہوتا ہے، اور اس کے بعد آگے بڑھتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مرتبہ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب انسان کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو طبیعت میں برائی سے نفرت میں کمی آ جاتی ہے، اور اس کے بعد دوسری برائی خواہ اس سے بڑی ہی کیوں نہ ہو کرنے کی اس میں جرات اور جسارت پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ اس کو گزرتا ہے، اس کے بعد اور زیادہ جرات پیدا ہوتی ہے، اگر توفیق خداوندی نے اعانت نہ کی اور وہ اسی طرح ایک ایک قدم بڑھتا گیا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندہ شرک، کفر، اور دیگر معاصی کے انتہائی مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے علمائے راسخین (رحمہم اللہ) کو مستحبات کی تاکید اور مکروہات اور صغائر ذنوب پر سخت زجر کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، کیونکہ جس طرح ایک مستحب کے بعد سلسلہ بسلسلہ انسان ورع و تقویٰ کے مرتبہ عالیہ پر پہنچ سکتا ہے اسی طرح مکروہات یا صغائر ذنوب میں مبتلا ہو کر غلو فی النار کا واجب الاستعاذہ مرتبہ بھی مل سکتا ہے۔

مثلاً نزلہ، زکام، وغیرہ ان امراض کے معاملے کے لئے کسی حاذق تجربہ کار طبیب کے پاس کوئی مریض گیا، طبیب نے اس کو کثیر الادویہ نسخہ پینے کے لئے لکھ دیا، اور غیر محدود اشیاء پر میز اور بہت سی حسن معاشرت (مثلاً ٹھنڈے پانی سے نہانا شہم میں

سونا) سے بتا کید ا کید منع کر دیا، مریض کتا ہے کہ طیب و ہی ہے، دو چار چھٹیں معمول سے زیادہ آ جاتی تھیں، ناک سے کچھ رطوبت، ریش ہو جاتی تھی، اس نے اس معمولی مرض کو پہاڑ بنا دیا، نہ اس پر ہی کی ضرورت ہے نہ ان دواؤں کی، بالکل اس نے اس پر عمل نہ کیا نتیجہ ظاہر تھا کہ زکام بگڑ گیا، اور زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ سل ودق میں مبتلا ہوا، اور اس طرح مبتلا ہوا کہ تہہ دار بھی تہہ داری کرتے کرتے عاجز آ گئے، اور دعا کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اب اس سے ہم کو نجات دے، طیب احق نہ تھا، وہ جانتا تھا کہ اگر اس چھوٹے سے مرض پر توجہ نہ کی گئی تو یہ مرض جان لے کر چچھا چھوڑے گا اسی لئے اس نے پوری احتیاط کے ساتھ مریض کو ہدایات کی تھیں، لیکن مریض نے مرض کو آسان اور طیب کی ہدایت کو ہڈیان قرار دیا اور اس کی ہزائیں مبتلا ہوا۔

گناہ صغیرہ کا وبال :- اسی طرح علماء ربنتین بھی جانتے ہیں کہ چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی جب بگڑتا ہے یعنی اس کا مرکب اس کو حقیر سمجھتا ہے یا اس پر نادم نہیں ہوتا تو یہ لذت ایک قدم اور آگے رکھواتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ جسارت ان معاصی کبیرہ خبیثہ میں مبتلا کر دیتی ہے کہ دوست و اقارب بھی دعائیں کرنے لگتے ہیں کہ یہ شخص نیست و نابود ہو جاوے اور شاید یہی وجہ ہو کہ ترک صلوٰۃ کو کفر قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ترک صلوٰۃ کے بعد توبہ نہ کی، تو اس خبیثت نے اور فرائض کے ترک کو بھی معمولی قرار دیا، اور ہوتے ہوتے (نعوذ باللہ) وہ ہوا جو نہ ہوتا تھا۔ یہی حالت ولید بن مغیرہ کی تھی کہ اس وقت تو عزت و جاہ کے نمائشی محبوب کے جلوے نے اس کو مجبور کیا کہ وہ جاننے کے باوجود اس کلام کو سا حرا نہ کلام کہہ دے، مگر یہ انکار اسی حد تک نہ رہا، بلکہ اسی سال جب حج کے لئے اطراف حجاز سے لوگوں کے آنے کا وقت آیا تو ولید بنی نے قریش کی اس جماعت کو جو در حقیقت ائمۃ الکفر کا گروہ تھا بلوا کر اس میں مشورہ کیا کہ وقت آ گیا ہے کہ باہر سے لوگ حج کے لئے آویں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے ملیں، ادھر تو وہ لوگ خلی الذہن ہوں گے، ادھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سحر بیانی ہوگی، سمجھ لو کہ کس قدر جماعت کثیرہ ان کے ساتھ ہو جاویں گی، اگر کئے کے اندر ہم نے اسلام کو روک بھی دیا تو کیا فائدہ ہوا جب کہ کئے سے باہر اسلام کی اشاعت ہو گئی۔

اسلام سے قبل عرب کی مذہبی و معاشرتی حالت :- اس سے قبل کہ ہم یہ بتائیں کہ اس بحث میں کیا طے ہوا؟ یہ بتانا ضروری ہے کہ بعثت مبارکہ سے قبل بھی حج کیا جاتا تھا، اور شاید یہ حج ملت ابراہیمی کی مسخ کردہ صورت تھی، کیونکہ اس میں مادر زاد بچے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا تھا، اور یہ سمجھتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں وہ ناپاک ہیں ان ناپاک کپڑوں کو دربار خداوندی میں لیجانا گستاخی ہے، دوسرا امر ان کی جہالت اور جنگ آرائیوں کے شوق کے باوجود اشہر حرم (بزرگ مہینوں، رجب ذیقعدہ ذی الحجہ، محرم) کی غایت درجہ کا تعظیم کا تھا، اس طرح کہ لوٹ مار، غارت گری اور قتل و قتل ان کا ایک دل خوش کن مشغلہ تھا، ذرا ذرا سی بات، چھوٹے چھوٹے سے حیلوں پر برسوں جنگ ہوتی تھی اور طرفین کے سینکڑوں آدمی کاٹم آتے تھے، اس تصادم اور تناطح کے شوق کا اگر صحیح نمونہ دیکھنا ہے تو عرب قدیم کے ایک شاعر کا یہ شعر سن لیجئے۔

وَأَجَانًا عَلَى بَكْرِ أَخِينَا إِذَا مَا لَمْ يُجِدْ إِلَّا أَخَانًا

قتل و غارت گری کے شوق اور عادت نے ہم کو اس درجہ مضطرب کر دیا ہے کہ اگر ہم کو کسی وقت کوئی اجنبی شخص ٹوٹنے اور جنگ کرنے کے لئے نہیں ملتا ہے تو ہم اپنے خاندانی بھائیوں اور اقارب کو ٹوٹ کر اپنی پیاس بجھا لیتے ہیں۔

فی الحقیقت ان کے رسم و رواج کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس شعر میں کسی قسم کا مبالغہ نہیں ہے پس ایسی صورت میں اگر ان میں سے کسی کو کسی قصور کا بدلہ لینا ہوتا تھا تو بڑی عزت اس میں تھی کہ قصور وار کے ساتھ اس کے اقارب، معین و مددگار وغیرہم بھی غیر محدود افراد اس جرم کی سزا پائیں خواہ قصور وار کے قصور میں شرکت ان کی برائے نام بھی نہ ہو، لیکن اس سے کم درجہ کی عزت یہ بھی تھی کہ قصور وار سے پورا پورا بدلہ لے لیا جاوے، جانی اور بدنی بدلہ اچھا بدلہ تھا، لیکن اس میں بھی کوئی مجبوری حائل ہو تو مالی تاوان جس قدر زیادہ لیا جاوے قابل عزت ہے، حتیٰ کہ بعض مواقع پر مالی تاوان کے ساتھ میزبانی بھی لیا گیا جو اس قدر عمر کا، اور فلاں رنگ کا ہو اور اس کی پیشانی پر اس طرح کے داغ ہوں وغیرہ ان تمام قیود اور پابندیوں کا نفع اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ قصور وار اس قسم کی چیزوں کو ڈھونڈنے میں مصائب برداشت کرے، قصور وار کو معاف کر دینا ان کی کتاب عزت و فخر میں کوئی قابلِ حمد فعل نہ تھا۔

اس سب کے ہوتے ہوئے بھی اُسٹرِ حُرُم میں اگر بیٹے یا باپ کا قاتل بھی سامنے سے گزرتا تھا تو اس سے تعرض کرنا ناممکن تھا۔ ان مقدس مہینوں میں کسی کے درپے آزاد ہونا ناقابلِ تلافی اور نالائقِ عفو جرم تھا جس کی جرأت کسی میں بھی نہ تھی، اور یہی وجہ تھی کہ ان مہینوں میں کھلے بندوں ہر شخص بغیر کسی قسم کے خوف و خطر کے آزادانہ پھرتا تھا، اور اپنے آپ کو ہر قسم کی دستبرد سے محفوظ خیال کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے سفر بکثرت کیا جاتا تھا، اور مروجہ حج کے لئے بکثرت لوگ آتے تھے۔ اس کو سن کر آپ نے بھی خیال کر لیا ہو گا کہ ولید کو اس ہجوم کثیر کے زمانہ میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے کس قدر وحشت ہوئی ہوگی۔

اسلام سے روکنے کے لئے کفار کی تدبیریں :- بہت دیر تک غور و خوض کر کے، جرح و قدح کے بعد یہ طے ہوا کہ مکہ کے چند ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جاوے جو مکہ کے ان تمام راستوں پر رہیں جو باہر کے مسافروں کو لے کر اندر آتے ہیں، جس راستہ سے کوئی قافلہ گزرے اس راستہ پر مقرر کردہ شخص کا یہ فریضہ ہے کہ اس قافلہ کے ساتھ گھل مل جاوے، اور اس خلا ملا کو اس درجہ پر پہنچادے کہ اہل قافلہ کو اس پر پورا اعتماد ہو جاوے اس کے بعد یہ شخص بطور اظہار واقعہ کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برائیاں اس قدر ذہن نشین کر دے کہ لوگ ان کی صورت سے نفرت کرنے لگیں، اور ہر شخص دل ہی دل میں عہد کرے کہ نہ ان کی صورت دیکھنے گا نہ اپنی صورت ان کو دکھاوے گا، اس تجویز کو منظور کیا گیا، اور خدا کے سچے رسول کو ساحر اور کلام الہی کو ساحرانہ کلام قرار دے کر کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔

حبشہ کی جانب ہجرت :- ناقابلِ برداشت ایذاؤں، ناقابلِ تحمل تکلیفیں اٹھانے کے بعد مسلمان مرد اور عورتوں کی ایک پوری جماعت فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر حبشہ چلی گئی، کفارِ قریش نے بہت سے تحفے اور ہدا یادے کر ایک وفد بھیجا تاکہ نہ صرف شاہی حکم ان کے اخراج کا دیا جاوے بلکہ ان تمام غریب الوطنوں کو اس وفد ہی کے زیرِ حراست مکہ ہی کی واپسی پر مجبور کیا جاوے۔ حبشہ کا حکمران اگرچہ عیسائی تھا مگر نا سمجھ نہ تھا، اس وفد کی درخواست پر مہاجرین کو بلایا اور تحقیق کی اور حقیقت حال کے سمجھ لینے کے بعد واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

اور یہ وفد ناکام واپس آیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا اسلام :- اس کے بعد ہی حضرت عمر کے اسلام کا واقعہ ہوا۔ جس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا نہیں ہے، بالاختصار اتنا کہ دنیا کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے ارادہ سے یکہ و تنہا شمشیر بکف ہو کر چلے تھے اور صحابیت مل گئی اور صحابیت بھی وہ ملی کہ از شرق تا غرب ”عمر“ کا نام آفتاب کی طرح روشن ہے۔

مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے چاہا کہ میرا مسلمان ہو جانا کفار قریش کے لئے نمونہ قیامت ہو گا۔ اس لئے جو کچھ ہونا ہو وہ ایک ہی دفعہ ہو جاوے۔ اس لئے غور کیا کہ سب سے زیادہ پیٹ کا ہلکا کسی راز کو دل میں نہ رکھ سکنے والا کون ہے۔ فوراً یاد آ گیا کہ جمیل بن معمر اس بارے میں زبان زد ہے، اور اس میں خصوصیت یہ ہے کہ اس سے کوئی بات کہہ کر جس قدر زیادہ راز داری کے لئے کو اسی قدر وہ زیادہ اشاعت کرتا ہے، بقول بعض عوام کے اس کے پیٹ میں کوئی بات سنا ہی نہیں ہے۔ جمیل کا خیال آتے ہی حضرت عمر خوش ہو گئے۔ اس کے گھر پہنچے آپ کے صاحبزادے ”عبداللہ بن عمر“ آپ کے ساتھ تھے، جمیل کو گھر سے بلوایا اور راز دارانہ طریق پر آہستہ سے کہا کہ جمیل! میں تو مسلمان ہو گیا ہوں، جمیل نے یہ سنا اور فوراً خانہ کعبہ کی طرف چلا، یہ وقت تھا کہ خانہ کعبہ کے ارد گرد قبائل اور اقوام کی پارٹیاں جمع تھیں، ہنسی مذاق میں سب مصروف تھے، جمیل نے وہاں پہنچتے ہی ایسے موقع پر کھڑے ہو کر کہ ایک ہی دفعہ میں سب سن لیں باواز بلند کہا کہ بھائیو! عمر بدین ہو گیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے پیچھے تھے فرمایا کہ جمیل نے غلط کہا، میں بدین نہیں ہوا ہوں بلکہ مسلمان ہو گیا ہوں اور یہ کہتے ہی باواز بلند کلمہ توحید پڑھا۔

اسلام کی خاطر حضرت عمرؓ کا تکلیف برداشت کرنا :- یہ پہلا موقع تھا کہ اس جرات کے ساتھ مشرکین مکہ کی جماعتوں کی موجودگی میں، خانہ کعبہ کے اندر اور باہر رکھے ہوئے بتوں کے سامنے خدائے واحد کا اعلان اور اصنام و اوثان کی الوہیت کا انکار کیا جاوے۔ یکایک سب مشتعل ہو گئے اور اس غیظ میں اس کی پرواہ نہ کی کہ اس کے بعد کیا ہو گا یک بیک عمر

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر سب نوٹ پڑے، عمر بھی کچھ ایسے نہ تھے کہ بلال کی طرح پنتے رہتے، انہوں نے بھی کوئی کسریٰ نہ رکھی، اور یہ مار دھاڑ کئی گھنٹے مسلسل جاری رہی، کہ عاص بن وائل آگیا، بنی سہم کے خاندان کا یہ شخص رئیس تھا، نہ صرف اس کی وجاہت اس کی قوم میں تھی بلکہ دوسرے خاندانوں میں اس کی عزت و وقعت تھی، اور دریافت کیا کہ کیا بنگامہ ہے لوگ سمجھتے تھے کہ ”عمر“ کا مسلمان ہو جانا، پھر اس بے بالی کے ساتھ توحید کا اعلان، تعددِ آئینہ کا انکار ایسی چیز نہیں کہ کوئی شخص کیسا ہی متین ہو مگر مشتعل ہو جاوے گا اور مارنے یا مار ڈالنے کا حکم دے دیگا، ہم کچھ سستا چکے ہیں، اس کے ساتھ پھر مار دھاڑ شروع کر دیں گے اس لئے فوراً بولے کہ عمر بدین ہو گیا، عاص بن وائل نے اس خبر کو قحط کے ساتھ سنا، اور کہا کہ پھر تم کو کیا؟ جس طرح تم میں سے ہر شخص نے اپنے لئے ایک ایک طریقہ پسند کیا اس شخص نے بھی ایک طریقہ کو پسند کیا ہے، تم کو کوئی حق نہیں ہے کہ اس کو مجبور کرو، اس کے علاوہ تم یہ بھی تو سمجھ لو کہ ”عمر“ بنی عدی کے خاندان سے ہیں، اور تم کو معلوم ہے کہ یہ خاندان کس قدر بڑا خاندان ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ انہوں نے کبھی ذلت برداشت ہی نہیں کی ہے، اگر تم نے اس شخص کو مار ڈالا تو کیا تم کو اطمینان ہے کہ بنی عدی کے افراد کے کی گلیوں میں اپنے اور تمہارے خون سے نالیاں جاری نہ کریں گے، کیا تم تھوڑے سے آدمیوں کی اس حرکت کا بدلہ وہ اجتماعی طور پر خاندانوں سے نہ لیں گے۔

یہ لوگ مار پیٹ کر دل کی بھڑاس نکال چکے تھے، عمر کی طاقت کا موازنہ بھی کر چکے تھے، بنی عدی کا نام سنتے ہی گھبرا گئے اور اس خیال سے فوراً منتشر ہو گئے کہ مبادا پہچان لئے جاویں۔

ارض حبشہ کے چند پادریوں کا اسلام :- حبشہ میں مکے کے نمائندوں کا جانا، شاہ حبشہ کے ہر ہر درباری کے گھر جانا، سب کو اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے ہم نوا بنانا، دربار میں مسلمانوں کا آنا، اور پوری صفائی کے ساتھ اپنے عقائد و اعمال کو بیان کرنا، اور تمام اہل دربار کی رائے کے خلاف نمائندوں کو واپس کرنا یہ امور کچھ ایسے نہ تھے کہ آئے گئے ہو جاتے، حبشہ کے چپے چپے پر اس کا شور تھا، اس لئے اس سرزمین کے میں پادریوں کی ایک جماعت فخر عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ اس وقت خانہ کعبہ کے سامنے تشریف فرما تھے۔ کفار قریش کی ٹولیاں بھی ادھر ادھر مجتمع تھیں۔ یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بہت سی باتیں دریافت کیں۔ آپ نے سب کے اطمینان بخش جواب دیئے اس سے فراغت کے بعد آپ نے ان کو مسلمان ہو جانے کی دعوت دی۔ اور اسی سلسلے میں کلام الہی کی چند آیتیں سنائیں۔ قرآن سنا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور ایمان لائے۔ رخصت ہوئے تو ابو جہل سے ملاقات ہوئی۔ اس کے ساتھ قریش کے بعض اور سرغنہ بھی تھے۔ سامنے آتے ہی نہ دعائے سلام۔ کہنے لگا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ تم اپنے تمام مقاصد میں ہمیشہ ناکام رہو۔ کیونکہ تم کو تمہاری برادری نے جو تمہارے اہل مذہب بھی ہیں اس لئے بھیجا کہ تم حالات کا تجسس کرو۔ اور اس شخص کے حالات سے ان کو مطلع کرو۔ تم نے آتے ہی اپنا دین چھوڑ دیا۔ اس شخص کی باتوں میں آگئے۔ جو کچھ اس نے کہا تم نے اس کو مان لیا۔ ہم میں سے کسی نے بھی تم سے زیادہ احمق نہیں دیکھا پردیسوں کی یہ تھوڑی سی جماعت اس کا کیا جواب دیتی صرف یہی کہا کہ آپ لوگ اگر ہم غریب الدیار لوگوں کو ایسا کہتے ہیں تو کہیں ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ جنون کا علاج جنون سے کریں یا اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔ یہ کہا اور سلام کر کے رخصت ہو گئے۔

نبی کریمؐ کو قتل کرنے کا مشورہ :- دشمنانِ دینِ حق کو چین نہ تھا۔ انہوں نے طے کر لیا کہ اس شیخِ خداوندی کو جس طرح بھی ہومند کی پھونکوں سے بھجا دیا جاوے۔ اور اس کے لئے کسی سعی کو نہ چھوڑا جاوے خواہ اچھی ہو یا بری۔ بالآخر یہ طے کر لیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو علی الاعلان قتل کر لیا جاوے۔ اگر خاندانی لوگ مطالبہ کریں گے تو بڑی سے بڑی دیت (خون بہا) ادا کر دی جاوے گی۔ ابو طالب کو اس سازش کی اطلاع ہو گئی تو خاندانِ بنی ہاشم و بنی المطلب کے تمام افراد کو جمع کیا اور بتایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے بعض لوگ مسلمان ہو چکے ہیں اور بعض اپنے آبائی طریقے پر ہیں۔ لیکن موجودہ صورت حال میں اس دینی تحالف پر نظر کرنی نہیں ہے۔ بلکہ نصب العین یہ ہے کہ اگر مخالفین کا یہ منصوبہ پورا ہو گیا تو ہماری خاندانی عزت خاک میں مل جاوے گی۔ کیونکہ اول تو آج تک کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ ہم میں سے کسی پر ہاتھ اٹھاوے اور یہاں تو یہ طے ہو گیا ہے کہ علی الاعلان قتل کر دیں۔ گویا ہم اتنے کمزور ہیں کہ ہماری کوئی وقعت

ہی ان کے دل میں نہیں۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ فی الواقع یہ تمام خاندان کی ذلت اور ناقابل برداشت ذلت ہے۔ چنانچہ خاندان کے تمام افراد (خواہ مسلمان تھے یا کافر) ایک جگہ سمٹ کر آگئے۔ اور آپ کی حفاظت کا پورا اہم دیا۔ ان میں سے جو مسلمان تھے وہ تو اس حفاظت اور جاں نثاری کو سرمایہ آخرت سمجھتے تھے۔ اور جو اس دولت سے محروم تھے وہ اپنی آبائی عزت کو اسی میں محفوظ خیال کرتے تھے کہ یہ سب کے سب ایک محفوظ جگہ میں مجتمع ہو کر رہنے لگے۔ اس پر بھی ابوطالب کا یہ حال کہ اول شب میں حضور نے کسی جگہ آرام فرمایا رات کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد ابوطالب نے آپ کو آپ کی خوابگاہ سے بیدار کیا اور اپنے بیٹوں، بھائیوں، چچا زاد بھائیوں میں سے کسی کو آپ کی جگہ سلا دیا۔ اور حضور کو وہاں پہنچا دیا۔ غرض یہ تھی کہ مفسد اور غنڈے ہر وقت ناگ میں رہتے ہیں کہ حملہ کر دیں۔ اس لئے اگر ان کو خبر ہو گئی کہ آپ فلاں جگہ آرام فرما رہے ہیں تو آخر شب میں اسی جگہ حملہ کر دیں گے جس جگہ وہ پہلے سے معلوم کر چکے ہیں کہ حضور نے وہاں آرام فرمایا ہے اور وہ وقت پہنچانے اور جانچنے کا نہ ہو گا کہ اس جگہ سونے والے حضور ہیں یا کوئی دوسرا۔ اس صورت میں حضور بچ جاویں گے۔ میرا کوئی دوسرا عزیز بیٹا ہو یا بھائی مقتول ہو جاوے گا۔

حفاظت کے اس طرز کا حاصل یہ تھا کہ ابوطالب نے اپنی جانب سے تو اپنے بیٹے یا بھائی کو حضور پر نثار اور قربان کر ہی دیا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ زندہ رہے تو یہ امر آخر ہے۔

مسلمانوں کا سماجی و معاشی بائیکاٹ :- بالکل جب کفار قریش نے یہ سمجھ لیا کہ اس ارادہ میں بھی ناکامی ہوئی۔ تو انہوں نے از سر نو مجتمع ہو کر مشاورت کی اور طے ہوا کہ جب یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمایت سے باز نہیں آتے ہیں تو ان سے قطع تعلق کر لینا ہی ضروری ہے۔ چنانچہ اس خاندان کے ہر فرد سے قطع تعلق کر لیا گیا۔ چنانچہ دستاویز لکھی گئی جس میں تحریر تھا کہ ہم دستخط کنندگان بیاہ شادی، اٹھنا بیٹھنا، ساتھ کھانا غرض باہمی میل جول کا کوئی تعلق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے حامیوں سے نہ رکھیں گے۔

اس معاہدے کی پابندی بڑی سختی سے ہوئی۔ کچنگ کی نوبت یہ تھی کہ ان گرفتار بکا کو ایک دانہ ملنا ناممکن تھا۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ اس عہد کی پابندی ان لوگوں پر ہے جو کہ کتے کے باشندہ

ہیں ان لوگوں کو اس عمد نامہ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو کے سے باہر کے باشندے ہیں اور یہاں صرف اس لئے آتے ہیں کہ تاجرانہ مال کو فروخت کر کے گھروں کو واپس جاویں۔ اسی لئے جس وقت سنتے تھے کہ کوئی تجارتی فائدہ کے میں آنے والا ہے۔ تو منتظر رہتے تھے اور قافلے کے پہنچنے ہی تمام مال تجارت اس سے خرید لیا جاتا تھا تاکہ مبادا ان مصیبت زدوں میں سے کسی کو تھوڑا یا بہت خرید لینے کا موقع مل جاوے۔

بایکٹ ختم ہونے کے اسباب :- یہ مقاطعہ دو ایک دن کا نہ تھا تقریباً تین سال تک رہا۔ اور متعدد وجوہ کی بناء پر ختم ہوا۔ اس انتہائی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حکیم بن حزام تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے سر پر رکھوا کر اس جگہ کے قریب پہنچے جس جگہ رسول خدا اور ان کے اتباع فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اتفاقاً ابو جہل بھی ادھر ادھر موجود تھا۔ دونوں کو روک لیا اور کہا کہ تم تمام برادری کے خلاف بنی ہاشم کو غذا پہنچاتے ہو۔ مجھ کو بھی تعجب تھا کہ اس فقر و فاقہ پر عرصہ دراز گزر گیا یہ لوگ زندہ کیونکر ہیں؟ آج معلوم ہوا کہ تم جیسے قوم کے غدار خفیہ خفیہ ان کو غذا پہنچاتے رہے ہیں ورنہ یہ لوگ اب تک مر چکے ہوتے یا آباؤ اجداد کا طریقہ از سر نو اختیار کرتے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک میری جان میں جان ہے۔ یہ غلہ تو بنی ہاشم تک پہنچے ہی نہ دوں گا مگر تم کو ساری برادری میں ذلیل و رسوا بھی اچھی طرح کروں گا۔ یہ بھگڑا ہو ہی رہا تھا کہ اتفاقاً ابوالنختری آگیا اور پوچھا کہ کیا بھگڑا ہے۔ ابو جہل سمجھا کہ اچھا ہے ایک مددگار ملے گا۔ کہنے لگا کہ ہوتا کیا؟ ان چھپے غداروں نے فتنہ کی آگ بھڑکار رکھی ہے۔ ہم نے چاہا تھا کہ تدبیر کے ذریعہ سے خواہ اس میں کچھ ہی کرنا پڑے ہم اس آگ کو بجھا دیں گے جس کے متعلق ہم کو خوف ہے کہ مبادا گھر گھر میں پھیل جاوے۔ مگر جب تک ان جیسے قوم کے بد خواہ موجود ہیں۔ ہماری تدبیر کامیاب ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ ہم سب نے متفقہ طور سے ان بد دینوں سے قطع تعلق کر رکھا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یا تو یہ لوگ فاقوں سے مر چکے ہوتے اور یا ہمارے آباؤ اجداد کی۔ ہمارے اوتاروں کی توہین سے باز آ جاتے۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی وجہ آج معلوم ہوئی کہ جماعت کے بعض غداران لوگوں کو خفیہ خفیہ غلہ پہنچاتے رہے ہیں۔ ابوالنختری نے سارا قصہ سن کر کہا کہ! تم کو معلوم

ہے کہ خدیجہ بھی اس میں سے ایک ہیں جن کو تم نے فاقوں سے مار دینے کا ارادہ کر لیا ہے اور وہ حکیم کی پھوپھی ہیں۔ یہ غلہ ان کی پھوپھی کا مملوک ہو گا ان کے پاس بطور امانت رکھا ہو گا۔ آج ان کو موقع مل گیا تو یہ دینے جا رہے ہیں۔ اور مجھ سے تو اگر سچ پوچھو تو سچ یہ ہے کہ اگر پھوپھی کو بھوک سے مرتے ہوئے دیکھنا پسند نہ کیا ہو اور اپنے پاس ہی سے لے جا رہے ہوں تب بھی قابل ملامت نہیں۔ خلاف توقع جواب سن کر ابو جہل کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ تم بھی شریک حال معلوم ہوتے ہو۔ غرض یہ کہ بات بڑھی اور مار پیٹ کی نوبت بھی آئی۔

یہ واقعہ معمولی واقعہ نہ تھا، بجلی کی طرح کے میں زبان زد ہو گیا۔ گھر گھر چرچا ہونے لگا لیکن عجب بات یہ تھی کہ بنی ہاشم کے ساتھ ہمدردی کی آوازیں زیادہ آنے لگی تھیں۔

اس کے بعد یہ تمام لوگ ایک جگہ جمع ہوئے۔ سب سے پہلے ہم آہنگی کا معاہدہ کیا۔ اس کے بعد اس پر بحث ہونے لگی کہ اول کون ابتداء کرے؟ زہیر نے کہا کہ سب سے پہلے میں شروع کروں گا آپ سب صاحب میری تائید کریں۔ بقیہ لوگوں نے اس کو منظور کر لیا۔ صبح ہوئی، کفار مکہ کی چوپال بھی خانہ کعبہ کا صحن ہی تھا۔ چاروں طرف ٹولیاں جمع ہو گئیں ادھر ادھر کی باتیں شروع ہوئیں۔ زہیر اپنے خاندان میں ذی عزت تھے۔ عمدہ کپڑوں میں ریسانہ انداز سے آئے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اور اس طرح کھڑے ہوئے کہ تمام جماعتیں ان کے سامنے تھیں۔ اور باوازا بلند کہا کہ اے مکہ والو! کیا یہ بھی کوئی آدمیت ہے کہ ہم لوگ سیر ہو کر کھایا کریں۔ عمدہ کپڑے پہنا کریں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہو رہے ہوں۔ نہ کوئی چیز خرید سکتے ہیں نہ فروخت کر سکتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک مقابلہ کی یہ ظالمانہ دستاویز چاک نہ کر دی جاوے گی میں یوں ہی کھڑا رہوں گا۔ ہر گز ہر گز نہ ٹیٹھوں گا۔

ابو جہل نے دیکھا کہ اس وقت مجمع زیادہ ہے۔ ان میں سخت دل بھی ہیں اور نرم دل بھی۔ مبادا ان میں سے کسی کو رحم آ جاوے اور اس بنا پر کوئی ہلکا سا کلمہ کہہ دے تو پھر سب کے سب وہی کہیں گے۔ اس لئے فوراً بول اٹھا کہ زہیر! یہ دستاویز تو یوں ہی رہے گی اس کو کوئی شخص چاک نہیں کر سکتا ہے۔ اس میں قوم کی متفقہ رائے تحریر ہے۔ زعمہ نے کہا کہ ابو الحکم! تم اس وقت بالکل جھوٹ بول رہے ہو۔ ہر گز ہر گز قوم کی متفقہ رائے نہیں ہے جس وقت یہ وحشیانہ

دستاویز لکھی جا رہی تھی میں تو اس وقت بھی راضی نہ تھا۔ پھر متفقہ کیونکر ہوئی۔ ابوالبحریری نے کہا کہ زمعہ نے سچ فرمایا۔ ہم اس وقت بھی اس باہمی معاملہ کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور ناقابل تسلیم خیال کرتے ہیں۔ ایک جانب سے مطعم کی آواز آئی کہ یہ دونوں صاحب سچ کہتے ہیں۔ ان دونوں کے خلاف جو شخص کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ ہم خدا کے سامنے اس دستاویز سے اور اس سب سے جو اس دستاویز میں لکھا ہوا ہے اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ہشام نے بھی اسی کے قریب قریب کہا۔

یہ پانچوں صاحب اس ترتیب سے بیٹھے تھے کہ ابو جہل کو یہ معلوم ہوا کہ چاروں طرف سے آوازیں بنی ہاشم کی موافقت میں آرہی ہیں مگر وہ ایسا نادان نہ تھا۔ اس نے فوراً سمجھ لیا کہ چند آدمی ہیں جو چاروں طرف پھیل کر بیٹھ گئے ہیں اس لئے اس نے کہا کہ آپ لوگوں کی یہ مخالفت رات کے مشورہ کا نتیجہ ہے۔ اس وقت ابوطالب بھی ایک گوشہ میں موجود تھے کہ مطعم نے بڑھ کر دستاویز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا ارادہ کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ دستاویز دیمک خوردہ ہے مگر دیمک خوردہ بھی اس عجب طریقہ پر ہے کہ دستاویز بھر میں جہاں جہاں خدا کا نام لکھا ہوا ہے وہ تو غلطیٰ حالیہ باقی ہے بقیہ کو کھالیا ہے۔ گویا دیمک بھی درسگاہ کی تعلیم یافتہ تھی جس نے سمجھ کر ایسے مواقع ترک کر دیئے تھے۔ اور قبل اس کے کہ انسانی باتھوں سے یہ ظلم نامہ پارہ پارہ ہو دیمک نے اس کو نیست و نابود کر دیا تھا اور اس دستاویز کا کاتب منصور بن عکرمہ تھا جس کا ہاتھ اس کے بعد شل ہو گیا تھا۔

قریش نے آپ کی نبوت کی مخالفت کیوں کی؟۔ کفار قریش کی مخالفت کے نمونے دیکھ لئے۔ اس کے بعد اس کہنے میں کیا غلطی ہے کہ خدا کے ایک برگزیدہ رسول کے مقابلہ میں ان غیر محدود اشرار نے سردھڑکی بازی لگا دی تھی۔ ان کا مطمح نظر یہی تھا کہ آپ دنیا سے رخصت ہو جاویں۔ پھر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ان تکالیف کی وجہ سے آپ نے اپنا آبائی وطن ترک کیا مدینہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے فاتحانہ طریقہ پر مکہ میں داخل ہوئے ظاہر ہے کہ اسلام کا غلبہ اس صورت میں بھی ہو سکتا تھا کہ جس طرح اہل مدینہ نے آپ کا ساتھ دیا جو کہ قرابت کے اعتبار سے اجنبی تھے اور ان کی معیت اور تائید فتح مکہ کا سبب بنی۔ اسی طرح اس سے زیادہ عمدہ صورت

یہ تھی کہ آپ کے ساتھ اہل مکہ ہوتے اور آپ اہل مکہ کی معیت میں مدینہ کو فتح کرتے، پھر اقداب کے ہاتھ سے ایذا میں پہنچانے اور اغیار کے ذریعہ سے امداد کرانے میں کیا خوبی تھی۔

فضلہ بنی لوی کے خاندان کا ایک شخص تھا اس مقاطعہ سے پہلے بنی ہاشم کا بچہ بچہ اس سے واقف تھا، اور یہ ان کے ہر دکھ اور درد میں شریک بھی رہتا تھا، اس مقاطعہ کے زمانہ میں اگرچہ کھلم کھلا اعانت ناممکن تھی مگر کئی دفعہ غذا کی کافی مقدار بنی ہاشم کے پاس پہنچا دینے کا مجرم تھا۔

اس قصہ کے بعد ہی زہیر کے پاس گیا، زہیر کی ماں مسماۃ عاتکہ عبدالمطلب کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، اور کہا کہ زہیر! کیا تم کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے گھر والے تو سیر ہو کر کھانا کھایا کریں، عمدہ عمدہ کپڑے پہنیں، شادی اور بیاہ کریں، مگر تمہارے ماموں کے خاندان کے لوگ اس بدتر حالت میں رہیں جس سے تم بھی ناواقف نہیں ہو، نہ کوئی ان کے ہاتھ کچھ فروخت کر سکتا ہے، نہ ان سے کوئی شخص خرید سکتا ہے نہ وہ شادی بیاہ کر سکتے ہیں، آخر ہمارے اندر یہ بے رحمی کیونکر آگئی ہے۔ سنو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہی حال ابوالحکم (ابو جہل) کے ماموؤں کا ہوتا اور انہوں نے کوئی جدید چیز گڑھ لی ہوتی اور تم مقاطعہ کی تجویز کرتے تو ابوالحکم ہرگز ہرگز نہ مانتا، زہیر نے کہا کہ ہشام! تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، ابوالحکم کو تو خواہ مخواہ ان لوگوں سے عداوت ہو گئی ہے، لیکن مجھ کو ملامت کرنے سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ جب کہ مکے کی اکثریت اس مقاطعہ میں شریک ہے تو میں ایک سو رما چنانچہ کر بھاڑ کو کس طرح پھوڑ دوں، خدا کی قسم! اگر میرے ساتھ ایک آدمی بھی اور ہوتا تو یہ عمدہ نامہ اب تک ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہوتا، ہشام نے کہا کہ اگر ان وحشیانہ حرکات کا انسداد اس پر موقوف ہے کہ ایک آدمی اور ساتھ دے تو ایک آدمی بھی موجود ہے، زہیر نے کہا کہ وہ کون ہے؟ ہشام نے کہا کہ میں ہوں، زہیر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ ہشام صرف دو آدمیوں سے کار بر آری دشوار ہے، اگر ایک اور ہوتا تو بہت آسانی ہوتی، ہشام نے کہا کہ یہ بھی ممکن ہے، یہ کہہ کر مطعم بن عدی کے پاس پہنچا، اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کرنے کے بعد کہا کہ مطعم! کیا تم کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بنی عبد مناف کے دو بڑے بڑے خاندان دنیا سے ناپید ہو جاویں اور تمہاری نظروں کے سامنے فنا ہوں، مگر تم ان ظالموں کا ساتھ نہ چھوڑو، خدا کی قسم! اگر تم نے اسی طرح ان ظالموں

کو من مانی کارروائیاں کروائیں تو یہ لوگ ان دونوں خاندانوں کو بہت جلد تباہ اور برباد کر دیں گے۔ مطعم نے کہا کہ ہشام! میرا دل بھی اس بے رحمی پر مجھ کو ملامت کرتا ہے مگر خود بھی تو انصاف کرو کہ میں اکیلا تمام کئے والوں کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہوں۔ اگر اس بارے میں کوئی ایک آدمی بھی ہم خیال ملتا تو تم دیکھتے کہ میں کیا کرتا۔ ہشام نے کہا کہ اگر تمہاری ہمدردی اور انسانیت اس قدر کمزور ہے کہ اس کے لئے ایک مددگار کی ضرورت ہے تو میں اس کو بھی بتا سکتا ہوں۔ مطعم نے تعجب سے دریافت کیا کہ کون؟ ہشام نے کہا کہ میں ہوں۔ مطعم نے کہا کہ بس ٹھیک ہے۔ لیکن اگر ایک اور بھی ہوتا تو پوری تقویت ہوتی۔ ہشام نے کہا کہ ایک اور بھی ہے۔ مطعم نے کہا کون؟ ہشام نے کہا کہ زہیر۔ مطعم نے کہا کہ عقل کی بات یہ ہے کہ ایک اور بھی ہونا چاہئے۔ ہشام نے کہا کہ اچھا۔ یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہوا اور ابی البختری کے پاس پہنچا۔ اور وہی کہا جو زہیر اور مطعم سے کہا تھا۔ ابو البختری نے کہا کہ ان خیالات میں تمہارا ساتھی کوئی اور بھی ہے؟ ہشام نے کہا کہ تین آدمی اور ہیں۔ پہلا میں۔ دوسرا مطعم۔ تیسرا زہیر۔ ابو البختری نے کہا کہ تعداد تو کافی ہے مگر ایک آدمی اور بھی ہوتا تو اچھا تھا۔ ہشام نے کہا کہ اچھا۔ اور زمعدہ کے پاس گیا۔ بات چیت کرنے کے بعد کہا کہ بنی عبد مناف کے دو خاندان عرصہ سے ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں کہ اُس زندگی سے موت اچھی ہے۔ تمہاری ان سے کچھ قربت بھی ہے۔ ان کے کچھ حقوق بھی تم پر ہیں۔ زمعدہ نے بھی تائید کی اور کہا کہ ایسے بڑے معاملے میں میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں جس میں ایک ایک بچہ بھی شریک ہے۔ جس کام کو جماعت نے کیا ہے اُس کام کو جماعت ہی توڑ سکتی ہے۔ ہشام نے نام بتا کر کہا کہ یہ لوگ بھی ہم خیال ہیں۔

اس کے جواب کو سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ عرب کے رسم و رواج پر نظر کی جاوے تاکہ جواب پیش کرنے میں سہولت ہو۔

عرب میں باہمی حمیت پوری قوت کے ساتھ تھی۔ خاندان کے کسی فرد کی زبان سے کوئی بات نکلتی تھی اُس کی حمایت ہر ہر شخص کرتا تھا۔ خواہ زبان سے نکلی ہوئی بات صحیح ہو یا غلط۔ اسی طرح اگر کسی سے کوئی غلط کاری ہو جاتی تھی تو خاندان کے لوگ غلط کاری کی بھی حمایت کرتے تھے۔ اور غلط کاری کرنے والے پر کسی طرح کی آج نہ آنے دیتے تھے اور اسی وجہ سے فریق مخالف بھی غلط کاری کرنے والے کے خاندان میں سے ہر ہر شخص سے انتقام لینا چاہتا۔

مختصر یہ ہے کہ جنبہ داری ان کی فطرت میں داخل اور گھٹی میں شامل تھی۔ اسی لئے کشتوں کے پُشتے لگ جانے کے باوجود یہ نہ کہا جاسکتا تھا کہ کون سی جماعت حق پر تھی، کیونکر حمایت بے جا کا احتمال دونوں طرف ہوتا تھا۔

اب اگر دعویٰ نبوت پر اہل مکہ لٹیک کہتے، مخالفت نہ کرتے بلکہ ساتھ دیتے، مخالفت کرنے والوں کا مقابلہ کرتے تو معاندین اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ اسلام الہی دین نہ تھا، عرب کے ایک شخص نے ایک دعویٰ کیا، خاندانی رسم و رواج کے موافق اپنوں نے ساتھ دیا، اپنی اجتماعی قوت سے دوسروں کو مغلوب کیا، لیکن اب کہ اسلام کو اولاً ان لوگوں نے قبول کیا جو اجنبی تھے، رشتے دار نہ تھے، اور جانتے تھے کہ اس حلقہ بغوشی میں مضرات کے علاوہ کوئی نفع ذرہ برابر بھی بافعل نہیں ہے، اس کی حمایت اور جاں نثاری میں اپنے آپ کو خطرناک ہی میں مبتلا کرنا ہے پھر یہ بھی کہ اس کو قبول ہی نہ کیا بلکہ جو کچھ کہا تھا اس کو پورا کیا، اپنی جانیں گنوائیں، دشمنوں کی جانیں لیں مگر اسلام کی دولت ہاتھ سے جانے نہ دی، آپ کے ساتھ ہو کر آپ کے اقارب کا مقابلہ کیا اور ان پر فتح حاصل کی، اگر غور کیا جاوے تو یہ ایک مستقل دلیل صداقت اسلام کی ہے، اور عجب نہیں کہ احکم الحاکمین کی حکمت بالغہ نے اس طرز میں علاوہ اور رموز کے یہ حکمت بھی رکھی ہو۔

طفیل بن عمرو دوسی کا اسلام :- قبائل عرب میں قبیلہ دوس ایک ممتاز خاندان ہے، اس خاندان کے ایک سربر آوردہ شخص طفیل بن عمرو نامی تھے، جو نہ صرف اپنی قوم میں وجاہت رکھتے تھے بلکہ ہمدرد بھی تھے، اور عرب کے خوش بیان مقرروں میں ان کا نام بھی شمار کیا جاتا تھا، اتفاقاً مکہ میں آگئے تو مختلف قسم کے لوگ ان کے پاس علی التوائی و التعاقب (یعنی یکے بعد دیگرے) آتے رہے، اور سب کا ایک ہی مقصد تھا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بدظن کر دیا جاوے کہ یہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنیں نہ آپ کی زیارت سے مشرف ہوں۔

یہ تدبیر کارگر ہوئی، اور مختلف پہلوؤں سے، کثیر التعداد اشخاص سے برائیاں سن کر طفیل کے دل میں آپ سے قدر نفرت پیدا ہو گئی کہ زبان سے بالآخر نکل ہی گیا کہ اس شخص سے تو ملنا بھی

مناسب نہیں ہے اہل مکہ اپنی کوشش میں اس کامیابی کو دیکھ کر پھولے نہ سمائے۔

رسم و رواج کے موافق طفیل بن عمرو کو خانہ کعبہ کا طواف کرنا ضروری تھا، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہیں، بہت زیادہ کوشش کی کہ دور دور رہیں مگر ازدحام کی وجہ سے تدبیر کارگر نہ ہوئی، بلکہ ایسی صورت آن پڑی کہ کچھ دیر تک آپ ہی کے پاس کھڑا ہونا پڑا۔

اب مجبور تھے کہ صورت دیکھیں اس لئے آنکھیں نیچی کر لیں، بات نہ سننے کا انتظام پہلے ہی سے کر کے آگئے تھے کہ کانوں میں روئی بھر لی تھی۔

دونوں ارادے غلط ہو چکے تھے، زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور بوجہ قرب کے کانوں میں روئی ہونے کے باوجود کلام الہی کے کچھ نہ کچھ الفاظ بھی کان میں پڑے، ان الفاظ کی لذت کچھ ایسی محسوس ہوئی کہ زیادہ سے زیادہ سننے کو چاہا اور خیال آیا کہ مجھ پر کسی شخص کا مصنوعی کلام کیا اثر کر سکتا ہے، میں تو خود جب تقریر کرتا ہوں تو سامعین پر مجھ کو پورا اختیار ہوتا ہے کہ چاہوں رُلا دوں یا ہنسا دوں اس لئے مجھ کو چاہئے کہ میں ان کی بات سن لوں اچھے برے کا امتیاز میرے لئے کوئی دشوار کام نہیں ہے، مگر خانہ کعبہ کے پاس تو کچھ کہہ نہ سکے، کیونکہ جہوم تھا، بات کرتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کو شک ہوتا، اس لئے یہاں سے فارغ ہو کر درِ دولت پر حاضر ہوئے اور کہا کہ محمد! اس دفعہ میں تکتے پہنچاؤ تمہاری برائیاں، ہر قسم کے لوگوں سے سنیں، بار بار سنیں، کہ میرے لئے یہ ممکن نہ ہوا کہ ان کی بات کو غلط قرار دوں بالآخر تمہاری طرف سے میرا دل بھر گیا اور ارادہ کر لیا کہ نہ تمہاری صورت دیکھوں نہ تمہاری بات سنوں، خانہ کعبہ کا طواف کرنا ضروری تھا تو میں نے ایسا وقت سوچا کہ میرے خیال میں وہ وقت تمہارے آرام کا ہونا چاہئے تھا، کانوں میں روئی بھر لی، اور خیال کر لیا کہ اگر بالفرض تم خانہ کعبہ کے جہوم میں مل بھی گئے تو نظریں نیچی کر لوں گا، اب اگرچہ کوئی بات پوری نہ سنی، مگر تمہارے کلام میں شیرینی کچھ ایسی ہے کہ دل چاہتا ہے کہ میں تمہاری بات سنوں اور غور کروں کہ تمہاری بات کی غرض کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام الہی کی کچھ آیات سنائیں تو فرماتے ہیں کہ میں نے اس کلام سے اچھا کلام نہیں سنا، چنانچہ اُسی وقت مسلمان ہوئے، گھر پہنچے تو ان کی وجہ سے ان کے والدین ان کی بی بی غرض کہ پورا خاندان مسلمان ہوا۔

کلام الہی کی قوت تاثیر کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مخالف کے دل میں بھی اثر کیا۔ اور مخالف بھی وہ کہ جس کا دل آپ کی عداوت اور نفرت سے پڑتا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد کی وبا پھیل اور صدیق اکبر نے اس کو پوری قوت سے روکا اس وقت یہی طفیل اپنے بیٹے عمرو کے ساتھ یمامہ کی جنگ میں بھی شریک تھے۔

اس جنگ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ طفیل نے یمامہ کے راستہ میں خواب دیکھا، صبح کو اٹھ کر دوستوں کو جمع کیا اور کہا کہ میرا خواب سنو، میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سرمونڈ دیا گیا ہے، اور میرے منہ میں سے ایک پرندہ نکل کر اڑ گیا ہے، پھر مجھ کو ایک عورت ملی اس نے اپنی شرمگاہ میں مجھ کو رکھ لیا، اور یہ بھی دیکھا کہ میرا بیٹا میرے پیچھے تیزی سے دوڑ رہا ہے، مگر میرے ساتھ نہ ہوسکا، روک دیا گیا، سننے والوں نے کہا کہ اس کی تعبیر تو سمجھ میں نہ آئی مگر یہ ضرور معلوم ہوا کہ اچھا خواب ہے، اس سے کوئی پریشانی کی بات ظاہر نہیں ہوتی ہے، طفیل نے کہا کہ اس کی فصل تعبیر میری سمجھ میں آگئی ہے، بتاؤں سرمونڈ نے کا مطلب تو ظاہر ہے کہ میرا سرتن سے جدا کر دیا جاویگا، اور وہ پرندہ جو میرے منہ سے نکل کر اڑ گیا ہے میری روح ہے، جو عنقریب بدن سے مفارقت اختیار کر گئی، اور وہ عورت جس نے اپنی شرمگاہ میں مجھ کو رکھ لیا ہے زمین ہے کہ میرے لئے قبر کھودی جاوے گی، اور میں اس میں داب دیا جاؤں گا، اس کے بعد میرا بیٹا پوری کوشش کرے گا کہ میری سی شہادت اس کو بھی نصیب ہو۔

چنانچہ یہی ہوا کہ طفیل تو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور بیٹا سخت مجروح ہوا، اور بعد صحت جنگ یرموک (بزمانہ فاروق اعظم) میں شہادت سے مشرف ہوا۔

لیلتہ الأسراء یا معراج :- واقعات کے اس سلسلے میں اہم ترین واقعہ معراج کا ہے، جس کا خلاصہ یوں ہو سکتا ہے کہ آپ بہت تھوڑے سے وقت میں جس کا اندازہ منوں اور سکندوں سے کیا جاسکتا ہے مسجد حرام سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے آسمان پر تشریف لے گئے اور ملکوت السموات کی سیر کی اور واپس آ گئے۔ اس کی تفصیل اگرچہ ہمارے موضوع سے زیادہ تعلق نہیں رکھتی ہے، مگر چونکہ اس واقعہ کے ذریعہ سے بھی مسلمانوں کو اسلام سے روکا گیا، اس

لئے ہم کو اس میں چند باتیں عرض کر دینی ضروری ہیں۔

اس میں اختلاف ہوا کہ یہ سیاحت اس جسم خلکی کے ساتھ ہوئی تھی یا واقعہ خواب ہے، ایک جماعت نے تو اس کے متعلق صاف کہہ دیا کہ یہ خواب ہے، اور اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ ایک سونے والا خواب میں ہر قسم کے امور دیکھ لیتا ہے بلکہ بعض مرتبہ تو اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ خواب میں اذیت کا احساس کر کے پیچھے لگتا ہے۔ یاراحت محسوس کر کے اپنے آپ کو سلطان ہفت اقلیم تصور کرتا ہے، اس سے زیادہ کہ کبھی کبھی تو آنکھ کھل جانے کے بعد بھی انہیں اذیتوں سے متاثر اور راحتوں سے سرور سمجھتا ہے جو اس کو خواب میں پیش آچکی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد جب ہوش و حواس درست ہوتے ہیں تو سمجھتا ہے کہ اصلیت کیا تھی یہی حال اس معراج کا بھی تھا، بہت سے بہت اگر فرق کیا جاسکتا ہے تو نبی اور غیر نبی کے خواب کا۔

معراج کو خواب کہنے کی وجہ :- معراج کو خواب کہہ دینے کی لم ایمان کا ضعف ہے یا فلسفہ اور سائنس سے مرعوبیت کا شاخسانہ، کسی نے کہہ دیا کہ فلک اعتباری اور وہی چیز ہے تو قرآن کی ان آیتوں میں تحریف شروع کر دی جن سے آسمان کا وجود حقیقی اور ویسا ہی ثابت ہوتا ہے جیسے کہ اور حقیقی اشیاء کا اور اگر خیال آگیا کہ قاصر العقل حکماء کی جماعت نے فلک میں خرق و البیہوش کو ممنوع قرار دیا ہے تو ملائکہ اللہ کے ہبوط و صعود کا بھی انکار کیا جانے لگا، گویا ان مدعیان عقل کی ہزاروں غلطیوں اور خطاؤں کے باوجود ان امور میں ایسی قطعیت ہے کہ خدا اور خدا کے رسول کے کلام اور خبر میں تو شبہات پیدا کئے جاسکتے ہیں، اُن کے اُن معانی کو توڑا اور مروڑا جاسکتا ہے، جو سلف صالحین سے منقول یا خود سرور عالم سے مروی ہیں لیکن ان کے خیالات میں غلطی یا تاویل کا امکان نہیں ہے۔

۔ بسوخت عقل زحیرت کہ اس چہ بوالعجبی ست

ضعف ایمان ہو یا ملاحدہ اور فلاسفہ سے مرعوبیت یا کوئی اور سبب جب دل میں یہ امر راسخ ہو گیا کہ معراج کی خبریں اس نظریہ کے ماتحت مانتی ضروری ہیں کہ فلک کی جانب صعود و ہبوط ہو سکتا ہے نہ اس میں خرق و البیہوش ہے نہ جسم خلکی اس پرواز کا تحمل ہے، تو اس قسم کی تاویلوں سے چارہ ہی

معراج کے متعلق خرق و التیّام کی ممانعت پر بحث شاید زیادہ مفید نہ ہو۔ کیونکہ اس کے غوامض سمجھنا عوام کے لئے آسان نہیں پھر جس جگہ اس مسئلے پر بحث کی جاتی ہے وہاں یہی مدعیان عقل ان دلائل کو اس طرح باطل کرتے ہیں کہ حیرت کی انتہا نہیں رہتی ہے اور ایک انصاف پسند کم از کم اس نتیجے پر ضرور پہنچ جاتا ہے کہ اس کی ممانعت پر کوئی ضعیف و ضعیف دلیل بھی جو کروڑوں سے سالم ہو، موجود نہیں ہے یہ امر آخر ہے کہ اس ضعف کے باوجود جب اس قاعدے پر کسی دوسرے دعویٰ کی بنیاد رکھیں گے تو اس کو اس طرح استعمال کریں گے کہ گویا اس کی ممانعت قطعی الثبوت ہے۔

یہ تیز رفتاری ممکن ہے:- رہی یہ بات کہ عالم ملکوت کی سیر ذرا سی دیر میں کیونکر ہو گئی اس لئے یہ واقعات خواب کے ہیں زیادہ قابل توجہ نہیں، کیونکہ اول تو کسی قوی یا ضعیف دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ سرعت سیر کا متہما کیا ہے؟ چوہنوی کو دیکھتے رہے تو معلوم ہوا کہ رفتاری سرعت یہی ہے، پھر اپنے آپ کو چلتے پھرتے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ بھی رفتاری سرعت ممکن ہے، پھر سائیکل کو دیکھا، موٹروں اور کاروں کو دیکھا، ریل کو دیکھا اس میں پنجر کو دیکھا، ایکسپریس کو دیکھا، میل کو دیکھا تو ان کی رفتاریں قابل حیرت طریقے پر سریع معلوم ہوئیں، مگر ہوائی جہاز کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا تو ان سب سے زیادہ اُس کی رفتار سریع تھی، اور ایجادات کی ابھی انتہا نہیں ہوئی ہے، ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ کوئی چیز سرعت رفتاریں پیدا ہو جاوے۔

مگر ہم کو ایک ایسی نشانی دیکھنی اور دکھانی ہے جو روزانہ ہمارے مشاہدے میں آکر قادر مطلق کی قدرت مطلقہ کا یقین دلاتی ہے اور زبان حال سے کہتی ہے کہ وہ خدا ہی کیا جو قدرت کاملہ نہ رکھتا ہو۔

ہم مشرق کے افق پر روزانہ صبح کو آفتاب کو نکلتے دیکھتے ہیں، اہل بیت کے نزدیک آفتاب زمین سے ایک سو ساٹھ گنا سے زیادہ بڑا ہے اس صورت میں اس کا بالائی نقطہ نقطہ زیریں سے لاکھوں میل دور ہے لیکن آپ غور سے دیکھیں تو معلوم ہو جاوے گا کہ ابھی آفتاب نے افق سے سر نکالا کہ اُس کا بالائی نقطہ اوپر تھا پلک جھپکنے کی مقدار میں اُس کا زیریں نقطہ اُسی جگہ آگیا جس جگہ نقطہ بالائی تھا، یعنی زیریں نقطہ نے یہ بڑی مسافت تقریباً چھ سیکنڈ کی مقدار میں

طے کی اور اسی طرح اُس کا بالائی نقطہ ذرا سی دیر میں اتنا ہی اونچا ہو گیا۔ تو جب ہم روزانہ اس سرعت رفتار کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں تو نہ معلوم اُس وقت کیا ہو جاتا ہے جب کہ ہمارے سامنے مخبر صادق کے بیان فرمائے ہوئے واقعات آتے ہیں۔

معراج کو روحانی ماننے والوں کے دلائل :- ان حضرات نے نصوص سے بھی استدلال فرمایا ہے۔

(اول) قرآن شریف میں اس کو رؤیا قرار دیا گیا ہے اور سب جانتے ہیں کہ رؤیا عربی میں خواب کو کہتے ہیں۔

(ثانی) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ :-

مَا قَدَّ جَسَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَسْرَى بِرُوحِهِ (بدایہ ص ۱۱۶)

ج ۳

(ثالث) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب معراج نبوی کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ معراج حضور کے لئے خدا کی طرف سے سچا خواب تھی۔

(رابع) شریک نے بروایت انس رضی اللہ عنہ کہا ہے کہ ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ فَإِذَا أَنَا فِي الْجَبْرِ (آسمانی سیاحت سے فدرغ ہو کر میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے آپکو عظیم میں موجود پایا)

معراج جسمانی کے دلائل :- لیکن کلام الہی میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آیت کو لفظ ”مُجَانَّ“ سے شروع کیا گیا ہے، اور تسبیح کے ساتھ ساتھ قرآن میں جس قدر واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ وہی ہیں جو عظیم الشان اور غیر معمولی ہیں، یعنی حق تعالیٰ نے جس اہتمام کے ساتھ معراج کو بیان فرمایا ہے اس سے اس کا عجیب ہونا معلوم ہوتا ہے اگر یہ واقعہ بحالت خواب ہوتا یا روحانی طور پر ہوتا تو اس میں کوئی قابل تعجب بات ہی نہ تھی، تقریباً ہر شخص نے خواب میں غیر ممکن امور دیکھے ہوں گے۔

پھر اس آیت میں ”يُعْبَدُ“ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ متبادر معنی عبد کے روح مع الجسد کے ہیں۔ کیونکہ جَاءَنِي عَبْدٌ فَلَانٌ کے معنی یہی ہے کہ وہ بیداری میں آیا اور بدن روح دونوں کے ساتھ آیا۔ عبد کا مصداق مجموعہ روح اور جسد ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ جو فعل منسوب کیا جاوے وہ بیداری ہی میں ہو سکتا ہے۔ (إِذَا لَمْ تَلْقَوْا قُرَيْشًا عَلَى خِلَافِهِ. یعنی اگر اس کے خلاف کوئی اشارہ نہ ہو)

اگر معراج بحالت خواب ہوتی یا روحانی طور پر ہوتی تو اس واقعہ کو سن کر مسلمانوں میں سے بعض ضعیف الاسلام مرتد نہ ہو جاتے۔ بدایہ ص ۱۱۰ میں ہے۔

ثُمَّ انْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَكَّةَ فَأَصْبَحَ يُخْبِرُ قُرَيْشًا بِذَلِكَ فَلَذَكَرَ أَنَّهُ كَذَبَهُ أَكْثَرُ النَّاسِ وَارْتَدَّتْ طَائِفَةٌ بَعْدَ إِسْلَامِهَا.

ترجمہ۔۔ آسمانی سیاحت کے بعد آپ مکہ واپس تشریف لائے اور صبح کو اس کی خبر قریش کو دی تو اکثر لوگوں نے اس کو جھٹلایا اور ایک جماعت جو مسلمان ہو چکی تھی اس کو سن کر مرتد ہو گئی۔

کیونکہ خواب میں اس قسم کے واقعات پیش آتے ہی ہیں۔

صدیق اکبر اپنے اخلاق اور حسن سلوک کی وجہ اہل مکہ میں محبوب تھے۔ اور ان کا مسلمان ہو جانا کفار قریش پر ہمت گراں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ صدیق اکبر کسی طرح اسلام کو ترک کر دیں۔

اسی لئے جب معراج کا قصہ سناتو یقین کر لیا گیا کہ صدیق اکبر بھی اس کی تصدیق نہ کریں گے۔ اور اسلام چھوڑ دیں گے۔ ایک جماعت آپ کی خدمت میں پہنچی اور کہا کہ تمہارے نبی یہ فرما رہے ہیں۔ اب تو ان کا ساتھ چھوڑ دو۔ صدیق اکبر نے جو جواب دیا ہے وہ سونے کے حروف میں لکھے جانے کے قابل اور اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اس کو اپنا نصب العین بنادے۔ فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم غلط کہہ رہے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ آپ نے ایسا فرمایا ہے تو میں صاف کہتا ہوں کہ وہ سچے ہیں یوں ہی ہوا ہو گا۔

وَلَقَدْ أَخْبَرَكُمْ عَمَّا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ إِنَّ اللَّهَ يَخْبِرُ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَفِيٌّ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَفِيٌّ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَفِيٌّ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَذًا وَكَذَا فَقَالَ إِنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ عَلَيْهِ. فَقَالُوا وَاللَّهِ إِنَّهُ لَيَقُولُهُ. فَقَالَ إِنْ كَانَ قَالَهُ فَلَقَدْ صَدَقَ

ترجمہ:- یہ خبر کہ میں پھیل گئی، اور مخالفین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا اور ایسا کہتے ہیں، تو فرمایا کہ تم لوگ ان پر افترا کرتے ہو، انہوں نے قسم کھائی تو فرمایا کہ اگر انہوں نے فرمایا تو بالکل سچ کہا۔

اگر یہ خواب تھی تو (۱) مکہ میں غیر معمولی طور پر کیوں پھیلی، شہرت تو غیر معمولی چیز کی ہوتی ہے، (۲) کفار قریش اس طمع میں صدیق اکبر کے پاس کیوں آئے کہ آج ان کو بھی اس واقعہ کی خبر سے اسلام کو ترک کرنا پڑیگا (۳) صدیق اکبر نے ان سے کیوں فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، انہوں نے ایسا ہر گز ہر گز نہ فرمایا ہوگا، خواب کی خبر ایسی کیوں تھی، کہ صدیق اکبر نے بھی اس کو ان سے باور نہ کیا (۴) جب کفار قریش نے قسم کھائی تب بھی یقین نہ کیا اور اور شک ظاہر کرنے والے الفاظ میں فرمایا ہے کہ اگر انہوں نے فرمایا ہے تو سچ ہے، گویا یہ خبر ایسی غیر معمولی تھی کہ قسم کے بعد بھی یقین نہ آیا۔ آپ صبح کو مسجد حرام میں تشریف لائے آپ رات کے واقعات ماضیہ پر غور کرنے میں مصروف تھے کہ ابو جہل آیا، اور بطور چھیڑنے کے کہا کہ آج کیا کوئی نئی بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے تو، کہا کہ کیا؟ فرمایا کہ آج شب میں مجھ کو بیت المقدس تک لیجا یا گیا، ابو جہل ششدر ہو کر رہ گیا اور کہنے لگا کہ رات میں اور بیت المقدس تک؟ فرمایا کہ ہاں، کہنے لگا کہ یہ بات تو اس قاتل ہے کہ سب کو سنائی جاوے، اگر میں لوگوں کو جمع کر لوں تو آپ ان سب کے سامنے بیان کر دیں گے، فرمایا کہ ہاں، ابو جہل نے تو اس خیال سے سب کو جمع کیا کہ اچھا ہوگا سب مل کر مذاق کریں گے ان کا (معاذ اللہ) جھوٹ سب پر ظاہر ہو گا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً یہ خیال فرمایا کہ اچھا ہوگا سب کو ایک ہی دفعہ تبلیغ ہو جاوے گی۔

چنانچہ ابو جہل نے پوری سرگرمی کے ساتھ سب کو مطلع کیا، کفار قریش بھی اس سے ناواقف نہ تھے کہ ابو جہل روزانہ آپ کے ساتھ ایک دلچسپ اور پُر مذاق بات کیا کرتا ہے، سب کو بلانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کوئی محمد کا سوانح ہو گا جس کو بلانے کی اطلاع ملتی تھی صرف وہی نہ آتا تھا بلکہ جس قدر اس کو مل سکتے تھے سب کو ساتھ لاتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سب جمع ہو گئے۔

ابو جہل نے بہت نرمی کے ساتھ کہا کہ میں تو سن چکا ہوں، ذرا ان سب کو بھی رات کی سیر کا قصہ سنا دو۔ آپ نے از اول تا آخر سب بتا دیا۔

یہ واقعہ سننا تھا کہ مجمع سے گویا عقل سلب ہو گئی کوئی تالیاں بجا بجا کر اچھلتا تھا کوئی بیٹی بجارہا تھا اور اس سے سب کی ایک ہی غرض تھی کہ آپ کی تکذیب کی جاوے اور نیز یہ کہ واقعہ خارج از عقل ہے انصاف کرو کہ کیا خواب پر اس قدر بڑا فتنہ ہو سکتا ہے، یہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آپ نے اس جسد کی ارضی و سماوی سیاحت کو تھوڑے سے وقت میں بیان فرمایا ہو۔

صرف یہی نہیں بلکہ سوالات پر سوالات کئے گئے کہ ہم تم کو خوب جانتے ہیں ہم کو معلوم ہے کہ تم کبھی بیت المقدس نہیں گئے ہو، وہاں کے حالات سے واقف نہیں ہو بیت المقدس کے حالات وہاں کی علامات بلکہ بیت المقدس کے راستے سے ہمارا قافلہ گزر رہا ہے اس کی کیفیت بھی بیان کرو۔

خواب ہونے کی صورت میں یا روحانی ہونے کی کیفیت میں نہ وہ پوچھ سکتے تھے نہ آپ کو جواب میں خلیجان ہوتا کہ میں نے بیداری میں کب دیکھا ہے جو تم مجھ سے دریافت کرتے ہو، نہ بیت المقدس کی کیفیت بیان کرنے کی فکر میں پڑتے، حتیٰ کہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ بیت المقدس کو خداوند عالم نے آپ پر منکشف کر دیا، اور اس طرح بیت المقدس کے متعلق ان کے تمام سوالوں کا جواب دیا۔

معراج کی ساری روئداد بصراحت بتاتی ہے کہ یہ نہ روحانی تھی نہ خواب، یہ سب کچھ محال تھا۔ بیداری اور اسی عصری جسد کے ساتھ تھا۔

روحانی معراج کے دلائل کا جواب :- اب رہے ان حضرات کے دلائل، سوان کے متعلق یہ عرض ہے کہ

(اول) یہ روایا (خواب) واقعہ معراج کا ہے یا عمرہ مکہ کا جس کو لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْرُّوْیَا۔ الخ (یعنی تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب سچ دکھایا۔ الفتح ۲۷)

یا غزوہ بدر کا ہے جس کو اِذْ یُرِیْکُمْ اَللّٰہُ فِیْ مَآکِبِ الْاَیِّ (یعنی جب اللہ نے وہ کافر آپ کو آپ کے خواب میں دکھلائے۔ الانفال: ۴۳) میں فرمایا گیا ہے۔

اور اگر علی سبیل اِز خاء العنان اس کو واقعہ معراج ہی سے متعلق مان لیا جاوے تو روایا کو بمعنی رویت (آکھ سے دیکھنا) کہا جاسکتا ہے کیونکہ دونوں (ر۔ ۶۔ ی) سے بنے ہیں، جیسے قربی اور قربات۔ اور بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ عموماً شب کے مشاہدات کو روایا کہہ دیا جاتا ہے خواہ یہ مشاہدہ بحالت بیداری ہو یا بحالت خواب۔

(ثانی) و (ثالث) :- حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت آپ کے نکاح میں نہ آئی تھیں کیونکہ آپ حضور کے نکاح میں مدینہ کے قیام کے زمانہ میں آئی ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ کسی دوسرے شخص سے سن کر فرما دیا ہے یا اپنے قیاس و اجتہاد سے فرما دیا ہے، یا ان کے فرمانے کا تعلق کسی دوسرے واقعہ سے ہے، احتمالات مذکورہ کے ہوتے ہوئے تمام ثواب و نصوص کے خلاف ان کے اقوال کو تسلیم کرنا دشوار ہے۔

(رابع) شریک محدثین کے نزدیک حافظ حدیث نہیں ہیں، اور دوسرے حفاظ و ثقات کے خلاف روایت کرتے ہیں، اس لئے حسب اصطلاح محدثین اس زیادتی کو منکر کہا جاویگا اور چونکہ عروج روحانی آپ کو کئی بار ہوا ہے یعنی اس معراج سے پہلے خواب میں عروج ہوا ہے جس کی حکمت غالباً یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس معراج اعظم کی صلاحیت پیدا ہو سکے اور قوت برداشت آجاوے، علاوہ ازیں استیقاظ (جو کہ استیقظت کا مصدر ہے) اس کے معنی ہمیشہ سونے سے بیدار ہو جانے کے نہیں آتے ہیں، بلکہ اِنْتِقَالَ مِنْ حَالٍ اِلٰی حَالٍ (یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے) کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔

حضرت صدیقہ طائف والوں کے واقعہ تکذیب کو بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ :-

ترجمہ :- (تو میں غمگین واپس لوٹا اور قرن ثعالب پر مجھے ہوش آیا۔ یعنی غم کی حالت ختم ہوئی) یہاں استفاظ کے معنی اِنْتِقَالَ مِنْ حَالٍ اِلٰی حَالٍ ہی کے ہو سکتے ہیں۔

ابو اسید اپنے صغیر السن بچے کو آپ کی خدمت میں بغرض تہریک لائے، آپ کی ران پر بچے کو لٹا دیا۔

آپ اس وقت لوگوں کو احکام خداوندی کی تبلیغ فرما رہے تھے، ابواسید کو کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ اس وقت آپ کی توجہ کو پھیرنا مناسب نہیں ہے، خاموشی کے ساتھ بچے کو اٹھالیا، (احادیث میں) اس واقعہ کے بعد ہے۔ - ثم استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم (یعنی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے) یہاں یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ پہلی حالت تَوَجُّهٌ إِلَى الْأَضْيَافِ (یعنی مهمانوں کی طرف توجہ) سے دوسری حالت (تَوَجُّهٌ إِلَى الْيَتَامَى) (یعنی بچے کی طرف توجہ) کی طرف آئے۔

پس شریک کی وجہ سے موقع تو ہے کہ ان کی تغلیط کی جاوے اور یاد دوسرے معنی تجویز کئے جاویں، مگر دوسرے معنی متعین کرنا تغلیط کی نسبت سے اچھے ہیں۔ وَنَذَرُ الْفَحْلَ أَحْسَنُ مِنَ التَّغْلِيظِ۔ (دوسرے معنی پر محمول کرنا شریک کی تغلیط سے اچھا ہے)

یلۃ المعراج کے وقت میں اختلاف :- (۱) ابن عساکر نے اسراء کی احادیث کو بعثت کے شروع میں ذکر کیا ہے (۲) ابن اسحاق نے بعثت کے تقریباً دس سال بعد ذکر کیا ہے۔ (۳) بیہقی نے بروایت زہری کہا ہے کہ مکہ کو ترک کر کے مدینے جانے کے ایک سال قبل یلۃ المعراج ہے (۴) حاکم نے بروایت اسماعیل شمدی بیان کیا کہ یلۃ الاسراء میں بمقام بیت المقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں، ہجرت سے سولہ مہینے پہلے۔ اس قول کے موافق یلۃ الاسراء ذی القعدہ میں ہو سکے گی۔ کیونکہ ہجرت کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہے اور زہری کے قول پر یلۃ الاسراء ربیع الاول میں ہے۔ (۵) ابو بکر بن ابی شیبہ بروایت جابر (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، بعثت، معراج، ہجرت، وفات، یہ سب دو شنبہ کے دن ۱۲ ربیع الاول کو ہوئے، اور اگرچہ حافظ عبد الغنی نے اس پر اعتماد کیا ہے مگر اس سے قطع نظر نہیں کی جاسکتی ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔

(۶) بعض حضرات ایک اور حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ معراج ۲۷ رجب کو ہوئی ہے، مگر یہ حدیث یقیناً غیر صحیح ہے۔ ہمارے زمانہ کے عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ شب معراج رجب کی نوچندی جمعرات (ماہ رجب کی پہلی جمعرات) کو ہوئی ہے۔ اسی پر بنائے فاسد علی الفاسد کے طور پر صلوٰۃ رَغَائِبِ کی بنا رکھی گئی ہے کہ اس رات مخصوص طریقہ پر نماز پڑھی جاتی

تھی۔ اور جو ہمارے زمانہ کے ان مبتدعین مثل خ میں رائج ہے جو کہ اپنے آپ کو متبع سنت کہتے ہیں۔ سنت و بدعت میں تمیز رکھنے والوں نے اس کو سختی سے رد کیا اور بدعت بتایا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:-

وَقَدْ بَسَطَ الْكَلَامَ عَلَيْهَا شَارِحَا الْمُنْبِئِ وَصَرَّاحًا بِأَنَّ مَا رُوِيَ فِيهَا بَاطِلٌ مُوَضَّوعٌ وَبَسَطَ الْكَلَامَ فِيهَا خُصُوصًا فِي الْجُلِيَّةِ (ص ۶۴۲ ج ۱)

ترجمہ:-۔ صلوٰۃ رغائب کے متعلق غنیہ کے دفتوں شارح صاحب صغیری اور صاحب کبیری نے بہت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور صاف صاف لفظوں میں فرمادیا ہے کہ اس کے استحباب کے بارے میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے وہ باطل اور گھڑی ہوئی ہے۔ دوسری جگہ (ص ۶۲۸ ج ۱) فرماتے ہیں:-

قَالَ ابْنُ الْحَاجِّ فِي الْمُدْخَلِ وَقَدْ حَدَّثَتْ بَعْدَ اَرْبَعَالِهٖ وَثَمَانِيْنَ مِنَ الْحِجْرَةِ وَقَدْ صَفَّ الْعُلَمَاءُ كُتُبًا فِي اِنْكَارِهَا وَذَمِّهَا وَتَسْفِيْهِهَا فَلَا يَغْتَرُّ لِكثْرَةِ الْفَاعِلِيْنَ لَهَا فِي كَثِيْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ

ترجمہ:-۔ ابن حاج نے اپنی کتاب مدخل میں کہا ہے کہ تقریباً پانچویں صدی کے آخر تک اس نماز کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس کے بعد یہ نماز ایجاد کی گئی ہے۔ علماء کرام نے اس کے بارے میں متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں ایجاد کردہ نماز کو منکر کہا اور مذمت کی اور اس کے کرنے والوں کو احمق کہا۔ اور اس دھوکے میں کسی کو نہ آنا چاہئے کہ بہت شہروں میں اس پر عمل کرنے والے ہیں۔

اس کے معلوم ہونے کے بعد یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اس دورِ آخر کے مسلمان اگرچہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ احکام میں تساہل برتتے رہے ہیں مگر انہوں نے اپنی من گھڑت عبادتوں کے اختراع اور اُن پر عمل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمْزَاتِ الشَّیْطَانِ (اے اللہ میں شیطانوں کے وسوسے سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

آبائی رسم و رواج کا وہاں:-۔ توحید و رسالت کچھ ایسے مسائل نہ تھے کہ ان کا سمجھنا عقول متوسط سے بالا ہوتا۔ بلکہ جب تک قومی اور آبائی رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے التفات نہ ہوا۔

لیکن ادھر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اعلان ہوا ادھر ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے سوتوں کو جگادیا۔ یہ لوگ خود اپنی حرکات سکنت، عبادات، ریاضات، کا محاسبہ کرتے تھے اور ان میں کھلی ہوئی خامیاں محسوس کرتے تھے۔ اور ہر شخص چاہتا تھا کہ غلے الاعلان وہی کہے جو ایک خدا کا مقرب اپنی زبان سے کہتا ہے اور اُس کی طرف دوسروں کو بلاتا ہے لیکن ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو مابعد پر غور کرتے تھے تو اس میں شک ہی نہ ہوتا تھا کہ اس کے بعد دوست، دشمن، اور یگانے بیگانے ہو جاویں گے اور یہ چند روزہ زندگی وبال جان بن جاوے گی۔

دلم دلدارنی جوید تنم آرام می خواہد عجب کشش دارم کہ جانم مفت می کاہد
اور یہ بھی اس وقت تک تھا جب تک کہ حضرت خدیجہ اور ابوطالب زندہ تھے۔ لیکن جب یہ دونوں دنیا سے رخصت ہو گئے تو خدا کے اس حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتوں کا باب ہی نیا شروع ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ اول تو فقر و مسکنت کی وجہ سے یوں ہی ایام عیدہ تک چولے سے دھواں نکلتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا کیونکہ جب پکنے کے لئے کوئی چیز ہوو گی ہی نہیں تو چولے میں دھواں کہاں سے آویگا۔ لیکن اگر اتفاق سے دو چار بوئیاں گوشت کی مل گئیں اور ہانڈی چولے پر پہنچ گئی تو ساتھ ہی ساتھ ہی غنڈوں کو بھی خبر ہو جاتی تھی کہ آج کچھ پک رہا ہے کسی نے دیوار پر چڑھ کر کسی نے گھر میں گھس کر ہانڈی میں کوئی نجاست جھونک دی۔ فاقہ پر فاقہ ہو۔ ہانڈی چولے پر پہنچنے کی وجہ سے امید ہو کہ آج کچھ کھانے کو ملے گا کہ آنکھوں کے سامنے اس کو اس طرح برباد کیا جاوے کہ کوئی شخص نہ کھا سکے تو ایسی صورت میں کیسی تکلیف قلب کو ہوگی۔ اور ہر شخص کو نسی بد دعا ہے جو نہ دیگا۔ لیکن اس حلم کے پہاڑ کو دیکھو کہ جزع و فزع کرنا۔ بد دعا کرتا تو کجا۔ لکڑی کے ذریعہ سے ہانڈی میں سے نجاست نکالی اور اسی طرح لکڑی میں لٹکائے ہوئے گھر سے باہر لائے اور دکھا کر کہا کہ یا بنی عبد مناف! یا بنی جؤار! یا بنی عبد مناف کے خاندان کے لوگو! پڑوسی کے ساتھ یہ کس قسم کا برتاؤ ہے) اور اسی قدر فرما کر وہیں راستے پر ڈال دیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَلَا تُكَلِّمُوا الْفَاسِقِينَ فِي دِينِهِمْ وَلَا فِي أَمْوَالِهِمْ

اُسوةِ رسولِ اکرم ﷺ

حدیث کی مستند کتابوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثال و خصال کو جمع کر کے انسانی زندگی کے ہر پہلو، ہر شعبہ اور ہر حال کے تعلق ہدایت پیش کی گئی ہیں جن سے اتباعِ سنت اور اتباعِ رسول کا صحیح مفہوم متعین ہو سکا

مؤلف

حضرت عارف باللہ ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب الشرف

خلیفہ مجاز

حکیم الامت مجددِ ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی مدظلہ العالی

اِذَا زُكِرَ الْمَعَارِفُ كُنْ اَوَّلَ رَافِعِهَا

حضرت
معاویہ
ؓ
اور
تاریخی حقائق

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

ادارۃ المصنفین
کراچی (پاکستان)



صاحب تصنیف

نام: محمد اعجاز علی صاحب رحمہ اللہ بن محمد مزاج علی صاحب رحمہ اللہ۔ لقب اعجاز العلماء ہے۔

ولادت: بدایوں میں ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم شاہجہاں پور اور میرٹھ میں حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کے مشہور اساتذہ مفتی کفایت اللہ دہلوی، شیخ السند مولانا محمود الحسن، مولانا عاشق الہی میرٹھی، مفتی عزیز الرحمن بجنوری، مولانا غلام رسول ہزاروی اور مولانا معزالدین رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

تدریس: آپ نے مدرسہ نعمانیہ بھگلپور، افضل المدارس شاہجہانپور اور دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور آخری دم تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس اور افتاء کی خدمت میں مصروف رہے۔ آپ کو شیخ الادب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

عادات و اخلاق: آپ اونچے عالم ہونے کے باوجود تواضع انکساری اور سادگی کا ایک نمونہ تھے۔ دنیا داروں سے بے نیازی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل حد درجہ تھا۔ ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں کی جانب سے آپ کو گراں قدر مشاہرہ پر بلایا گیا لیکن آپ نے دارالعلوم کی قلیل تنخواہ کو چھوڑ کر ان گراں قدر مشاہروں پر جانا گوارا نہیں کیا۔

وفات: آپ نے ۱۳/رجب بروز چار شنبہ ۱۳۷۳ھ کو وفات پائی اور دارالعلوم کے متصل قطعہ پاکیزگان میں اسلاف امت اور سلاطین علوم دین کے پڑوس میں آپ کی تدفین ہوئی۔

تصانیف: حواشی و تصانیف کی فہرست اسی کتاب میں قلیپ پر ملاحظہ فرمائیں۔